دیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ مئی سنہ ۱۹۱۱ء [illegible] کے اہتمام سے شائع ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے حالات

(۳)

سلسلہ کے لیئے ملاحظہ ہو گذشتہ نمبر

حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات

قرآن مجید میں سب سے لمبا بیان حضرت یوسف علیہ السلام کا ہے اور اس لیئے مناسب ہے کہ دیکھا جاوے کہ آیا اس قدر لمبے حالات صرف دل لگی کے طور پر بیان کیئے گئے ہیں یا انکے بیان کرنے میں اسی قسم کے اغراض مدِ نظر ہیں جیسے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے حالات بیان کرنے میں مدِ نظر ہیں۔ راڈویل مترجم قرآن کہتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ اس بات کا ایک صریح ثبوت ہے کہ "حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عالم یہودیوں کے ساتھ خفیہ تعلقات رکھتے تھے" اور میور لکھتا ہے کہ اس زمانہ میں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہودیوں سے سُنے ہوئے قصوں کا نام وحی الٰہی رکھکر لوگوں کو عمداً دھوکہ اور فریب دینا شروع کر دیا تھا۔ غرض ان ہر دو بزرگ مسیحیوں کی یہ رائے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات مخفی طور پر یہودی علماء سے سیکھے اور پھر اُن کا نام وحی الٰہی رکھکر ان کو اپنی

نبوت کے ثبوت میں پیش کیا۔ یہ ایسے کمینہ اعتراضات ہیں کہ ان سے خود معترضین کا کمینہ پن ظاہر ہوتا ہے۔

ایک طرف قرآن شریف میں سورۂ یوسفؑ کا مطالعہ کرو اور دوسری طرف بائبل کی کتاب پیدائش کا وہ حصہ پڑھو جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات درج ہیں۔ اور آپ پر یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ قرآن شریف میں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات بیان کیے گئے ہیں وہ وحی الٰہی کے پاک سرچشمہ سے نکلے ہوئے ہیں اور پیدائش کی کتاب کا قصہ انسانی ہاتھوں کی تحریر ہے جو الہام الٰہی کے نور سے بالکل خالی ہے۔ اور جس کی بنا صرف قومی روایت پر ہے اور بس۔

قصہ کہانی بیان کرنے والے کی غرض

کتاب پیدائش کا مصنف ہمیں صرف ایک داستان سناتا ہے۔ اس سے زیادہ اُس کی کوئی غرض نہیں۔ وہ اس قصہ کو صرف قصہ کی خاطر بیان کرتا ہے اس ساری کہانی کو کتاب پیدائش میں اوّل سے آخر تک پڑھ جاؤ اور تمہیں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملے گا جس سے یہ ظاہر ہو کہ کہانی بیان کرنے کے سوا کچھ اور بھی تھی۔ اس کی غرض یہ نہیں کہ اس کہانی سے کوئی سبق حاصل کیا جاوے یا کوئی نتیجہ نکالا جاوے بلکہ وہ صرف ہمیں ایک کہانی سناتا ہے تاکہ ہم اُس کہانی کو سنکر خوش ہوں۔ اگر کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ غرض ہو سکتی ہے تو صرف یہی ہو سکتی ہے کہ ایک تاریخی واقعہ کو قومی روایات میں سے جمع کرکے قلمبند کیا جاوے اس سے بڑھ کر کوئی غرض کتاب پیدائش کے مصنف کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی اپنے طور پر مسیحی صاحبان خواہ ہزار نتیجے اُس داستان سے نکالیں۔ مگر اُس کہانی کا لکھنے والا کسی نتیجہ کی طرف اشارہ نہیں کرتا اور کہیں ناظرین کی توجہ کو اس طرف نہیں پھیرتا کہ اس داستان سے کوئی سبق حاصل کیا جاوے اگر مسیحی صاحبان اُس سے کوئی نتیجہ نکالیں تو ایسا ہی وہ رامائن اور مہابھارت کے افسانوں سے بھی کئی ایک سبق حاصل کر سکتے ہیں اور کئی نتیجے اخذ کر سکتے ہیں۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خود افسانہ گو کی بھی یہ غرض تھی کہ اس قصہ کے ذریعہ لوگوں کو کوئی سبق سکھائے یا کوئی صداقت اُن کے

ذہن نشین کرے۔ برخلاف اس کے کہانی کے پڑھنے سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ اُس کی غرض صرف ایک کہانی بیان کرنا ہے اور بس۔ مگر جو حالات حضرت یوسف علیہ السلام کے قرآن مجید میں مذکور ہیں اُن کا یہ حال نہیں۔ قرآن شریف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات بطور قصہ اور کہانی کے بیان نہیں کیئے گئے۔ اور نہ یہ ثابت کرنے کے لیئے بیان کیئے گئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخفی اور پوشیدہ کہانیوں کو بھی بیان کرسکتے ہیں۔ قرآن شریف میں یہ حالات اس لیئے بیان کیئے گئے ہیں کہ ہم اُن سے بڑے بڑے عظیم الشان نتائج اخذ کریں اور جا بجا ان نتائج کی طرف صریح الفاظ میں توجہ بھی دلائی گئی ہے۔ مثلاً اُنہی الفاظ پر غور کرو جن کے ساتھ یہ بیان شروع کیا گیا ہے۔ وہ الفاظ یہ ہیں لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيٰتٌ لِّلسَّائِلِينَ ۝ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام اور آپکے بھائیوں کے حالات میں (جو قرآن شریف میں بیان کیئے جاتے ہیں) حق کی تحقیق کرنیوالوں کے لیئے ایک نشان نہیں بلکہ کئی نشانات ہیں۔ اس طرح ابتدا میں ہی یہ ظاہر کردیا گیا ہے کہ جو حالات اب بیان کیئے جاتے ہیں اُس میں حق کی جستجو کرنے والوں کے لیئے بہت سے نشانات ہیں جن کے ذریعہ وہ حق کی شناخت کرسکیں گے۔ پھر اُن الفاظ پر غور کرو جن کے ساتھ یہ بیان ختم ہوتا ہے اور وہ الفاظ یہ ہیں ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔ پس قرآن شریف حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات کو بطور انباء الغیب یعنی غیب کی خبروں کے پیش کرتا ہے یعنی قرآن شریف کے نزدیک ان حالات میں آنیوالے پوشیدہ واقعات کی خبریں قبل از وقت بیان کی گئی ہیں۔ یہی امر اُس آیت کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے جو اس کے بعد مذکور ہے اور وہ یہ ہے وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ ۝ یعنی تو اُن کے پاس نہ تھا جب اُنہوں نے (حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے) اپنی بات پر ایکا کیا درحالیکہ وہ مخفی تدبیریں کررہے تھے۔ اس آیت کریمہ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں

نے اپنے بھائی کے برخلاف مشورہ کیا ایسا ہی تیرے بھائی (قریش کے سردار) تیرے برخلاف ایک آنیوالے زمانہ میں مخفی طور پر سازش کرینگے تاکہ تجھے نابود کردیں۔ اس سے اگلی عبارت میں ہے کہ اگر چہ لوگ تیرے بھائیوں کی سازشوں سے تیری نجات کا نشان دیکھینگے مگر وَمَآ اَکْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ۝ اکثر ان لوگوں میں سے تجھ پر اس نشان کو دیکھکر بھی ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ تیری بڑی خواہش ہے کہ یہ لوگ ایمان لاکر عذاب الٰہی سے بچ جاویں۔

جو آیات اس کے بعد آتی ہیں اُن سے بھی اسی نتیجہ کی تائید ہوتی ہے یعنی یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات بطور قصہ کے بیان نہیں کیئے گئے بلکہ ان میں عقلمندوں کے لیئے سبق ہیں۔ ان آیات میں گذشتہ انبیاء کا ذکر کرتے ہوئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدْ کَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ یعنی ان انبیاء کے بیان میں عقلمندوں کے لیئے ایک عبرت ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا بیان بھی اسی غرض سے بیان کیا گیا ہے کیونکہ وہ بھی گذشتہ انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی ہیں۔

مگر پیشتر اس کے کہ میں بیان کروں کہ وہ کون کون سی غیب کی خبریں ہیں جو سورہ یوسف میں قبل از وقت بیان کی گئیں اور وہ کون کون سی آیات ہیں جن کی طرف اس سورہ کے ابتداء میں اشارہ کیا گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ناظرین کی توجہ بعض اُن خصوصیات کی طرف پھیروں جو سورہ یوسف میں پائی جاتی ہیں۔ اور کتاب پیدائش اُن سے خالی ہے۔

سو پہلی خصوصیت تو وہ الفاظ ہیں جن سے حضرت یوسف علیہ السلام کا بیان سورہ مذکورہ میں شروع کیا گیا ہے۔ یعنی لَقَدْ کَانَ فِیْ یُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ۔ یوسف علیہ السلام اور آپکے بھائیوں کے حالات میں حق کی تلاش کرنیوالوں کے لیئے کئی نشانات ہیں۔ ان الفاظ کے ذریعہ شروع میں ہی یہ ظاہر کردیا گیا ہے کہ یہ حالات قصہ کے رنگ میں بیان نہیں کیئے جاتے اور نہ اس بات

کے ثابت کرنے کے لیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدہ کہانیاں بیان کر سکتے ہیں بلکہ یہ حالات اس وجہ سے بیان کیئے جاتے ہیں کہ ان میں حق کے طالبوں کے لیئے ایک نہیں بلکہ کئی نشانات ہیں۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے نام کے ساتھ اِخْوَتِہٖ یعنی آپ کے بھائیوں کا نام شامل کرنا بھی بلاوجہ نہیں بلکہ اپنے اندر ایک معنی رکھتا ہے خدائے تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور آپکے بھائیوں کے حالات میں حق کے طالبوں کے لیئے کئی نشانات ہیں اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو انباء الغیب (غیب کی خبریں) ان حالات کے ذریعہ قبل از وقت بیان کی گئی ہیں وہ صرف اُس زمانہ کے یوسفؑ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی تعلق نہیں رکھتیں بلکہ آپکے بھائیوں یعنی قریش سے بھی تعلق رکھتی ہیں۔ اس سورہ کی تیسری آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ جن آنیوالے واقعات کی اس سورہ میں خبر دی گئی ہے وہ ایسے پوشیدہ ہیں کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی خبر نہ تھی۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ٥ ہم تیرے پر بیان کرتے ہیں بہت اچھی طرح بیان کرنا اس طرح سے کہ وحی کیا ہم نے تیری طرف یہ قرآن اور تو (ان باتوں سے جن کی اس سورہ میں خبر دی گئی ہے) پہلے بیخبر تھا۔

قرآنی بیان کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام اور آپکے بھائیوں کے حالات ایسی طرز سے بیان کیئے گئے ہیں کہ جس سے خدائے تعالیٰ کے علم اور اُس کی حکمت کا احساس نہایت ہی محکم طور پر پڑھنے والے کے دل پر بیٹھ جاتا ہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو لڑکپن کے زمانہ میں آپکے بھائیوں نے ایک تاریک اور گہرے کنوئیں میں پھینک دیا تو ایسی حالت میں جبکہ ہر طرف سے ہلاکت ہی ہلاکت نظر آتی تھی۔ خدائے تعالیٰ کا تسلّی بخش کلام آپ پر نازل ہوا جسمیں ایک عجیب اور عظیم الشان آنیوالے واقعہ کی خبر دی گئی۔ اور جو نظارے اور واقعات آپ کو آئندہ پیش آنیوالے تھے انکے حیرت انگیز خاتمہ سے اُس کنوئیں میں گرے ہوئے

بچہ کو آگاہی دی گئی اور جو ڈراما بچہ کو پیش آنیوالا تھا اُس کے آخری سین کا نقشہ اُس کے سامنے کھینچا گیا۔ وہ کلام الٰہی جو کنوئیں کی تہ میں اُس بے کس بچہ پر نازل ہوا وہ یہ تھا لَتُنَبِّئَنَّهُم بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ؕ یعنی جب حضرت یوسف علیہ السلام کی نسبت اُس کے بھائیوں نے فیصلہ کر دیا کہ اُس کو کوئیں میں پھینک دیا جاوے اور اُس وقت اُس کو اُس کے خونخوار بھائیوں کے ہاتھوں سے کوئی چھڑانے والا موجود نہ تھا تو ایسی بے بسی اور بے کسی کی حالت میں اُس ویرانہ میں اُس بچہ کے کانوں میں ایک تسلّی دینے والے کی آواز پہنچی اور وہ آواز یہ تھی کہ اگرچہ اس وقت تیرے باپ کے بیٹے تیرے خونی دشمن ہیں اور وہ غالب اور تُو مغلوب نظر آتا ہے مگر بہت سے تغیرات زمانہ کے بعد خدائے تعالیٰ ایک ایسا وقت لائے گا کہ یہی تیرے بھائی تیرے حضور پیش ہونگے اور تُو اُن سے سوال کرے گا کہ تم نے اپنے بھائی یوسف سے کیا سلوک کیا اور اُسوقت تیرا جاہ و جلال اور تیری عظمت اور شان اس قسم کے ہونگے کہ وہ تجھے نہ پہچان سکیں گے کہ یہ ہمارا ہی بھائی یوسف ہے۔

اور صرف قرآن شریف اسی بشارت کا ذکر نہیں کرتا جو بیابان میں کوئیں کے اندر حضرت یوسف علیہ السلام کو دی گئی بلکہ جو کچھ وہ اس کے بعد ذکر کرتا ہے اُس میں بھی اُس کو یہی دکھلانا مقصود ہے کہ کس طریق اور کس راہ سے خدائے تعالیٰ کی یہ عجیب بشارت آخر کار پوری ہوئی۔ چنانچہ اثنائے بیان میں ہر ایک ضروری موقعہ پر قاری کی توجہ اس طرف پھیرتا ہے اور دکھلاتا ہے کہ کن کن پُرحکمت اور لطیف راہوں سے خدائے تعالیٰ اپنے ارادوں کو پورا کرتا ہے اور جس شخص کو اُس کے بھائیوں نے نابود کرنا چاہا تھا کس طریق سے وہ اُس کی مدد کرتا ہے اور جس بے کس انسان کو اُس کے بھائیوں نے اپنے وطن سے نکال دیا تھا کن راہوں سے خدائے تعالیٰ اُس کو ایک غیر ملک میں اجنبی لوگوں کے درمیان عزت بخشتا ہے۔ چنانچہ اس بیان کے بعد کہ کس طرح خدائے تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اُس تاریک اور مہیب کوئیں سے نکالکر مصر میں ایک رئیس کے گھر میں ایک

عزت کی جگہ پر پہنچایا خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اس طرح ہم نے یوسف کو زمین میں جگہ دی تاکہ ہم اُس کو باتوں کی حقیقت سمجھائیں اور اللہ تعالیٰ اپنی بات پر قادر ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اسی طرح جب آخر حضرت یوسف علیہ السلام ملک مصر میں ایک نہایت ہی معزز عہدہ پر ممتاز ہوئے تو اس امر کا ذکر کرنے کے بعد بھی خدائے تعالیٰ ہماری توجہ کو اپنے عجیب کاموں اور اپنی حیرت انگیز قدرتوں کی طرف پھیر کر فرماتا ہے وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاۗءُ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَاۗءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ اس طرح ہم نے یوسف کو (جسے بھائیوں نے کوئیں میں پھینک دیا تھا اور جس کو ہم نے اپنی مدد کی بشارت دی تھی) زمین میں جگہ دی (اور اُس کو اس قسم کی آزادی بخشی کہ) وہ جہاں چاہتا اپنا مقام کرتا جس کو ہم چاہتے ہیں (اسی طرح) اپنی رحمت پہنچاتے ہیں اور ہم کسی محسن کا اجر ضائع نہیں کرتے اور آخرۃ کا اجر مومنوں متقیوں کے لیئے اس سے بھی بڑھکر ہے

یہ تو درمیانی مرحلے ہیں جن کو بیان کرکے خدائے تعالیٰ ہمیں دکھاتا ہے کہ کن راہوں سے اُس نے اپنے وعدہ کو پورا کیا۔ ان کے بعد خدائے تعالیٰ اُس قبل از منہ نظارہ کا نقشہ کھینچتا ہے جب کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے مصر کے ایک شاہزادے کے سامنے کھڑے ہیں اور وہ قحط کی مصیبت میں گرفتار اور قریباً تہیدست اس شاہزادے سے یہ التجا کرتے ہیں۔ يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝ یعنی اے عزیز۔ ہم اور ہمارے گھر والے قحط کے دکھ میں مبتلا ہیں۔ ہم ایک حقیر پونجی اپنے ساتھ لائے ہیں۔ آپ ہمیں پورا تول مرحمت فرمادیں اور ہم پر خیرات کریں۔ اللہ تعالیٰ خیرات کرنیوالوں کو اچھی جزا دیتا ہے۔

اسپر وہ شاہزادہ ان خیرات مانگنے والے اجنبیوں سے پوچھتا ہے هَلْ عَلِمْتُمْ
مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنتُمْ جَاهِلُونَ ۝ کیا تم جانتے
ہو کہ تم نے یوسف اور اُس کے بھائی سے اپنی جہالت کے دنوں میں کیا کیا۔
اُس وقت اُن کو معلوم ہوا کہ یہ شاہزادہ جس سے وہ خیرات مانگ رہے ہیں یہ تو وہی
اُن کا چھوٹا بھائی یوسف ہے جس کو اُنہوں نے کوئیں میں پھینکا تھا اور جس کو
وہ اُس کی شان وشوکت کی جھلک کی وجہ سے اب پہچان نہیں سکے۔ حیرت میں
ہو کر پوچھنے لگے أَإِنَّكَ لَأَنتَ يُوسُفُ۔ کیا آپ ہی ص ہوں اور یہ میرا بھائی
ہے۔ خدائے تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے اور جو شخص تقویٰ کرے اور صبر کرے
تو اُس کو ایسا ہی اجر ملتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی مُحسن کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ تو
اُس وقت اُن بھائیوں نے سخت شرمندگی کے ساتھ اپنے قصور کا اقرار کیا
اور کہنے لگے تَاللَّهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِن كُنَّا لَخَاطِئِينَ ۝
اللہ تعالیٰ کی قسم۔ خدائے تعالیٰ نے آپ کو ہم پر ترجیح دی اور ہم خطاوار تھے۔
مگر اُس رحیم وکریم انسان نے پسند نہ کیا کہ اپنے بھائیوں کو ملامت کرکے اُنکو رنجیدہ خاطر
کرے۔ وہ نہایت لُطف کے ساتھ اُن سے پیش آیا اور اُنکے قصوروں کی معافی دیکر
نہایت کرم سے فرمایا لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ آج تم پر کوئی ملامت نہیں
يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝ خدائے تعالیٰ تمھیں معاف
کردیگا وہ سب سے زیادہ رحیم وکریم ہے۔ اس طرح وہ وعدہ پورا ہوا جو خدائے تعالیٰ نے
اُس بیکس بچے سے نہایت بےبسی کی حالت میں بیابان کے اندر ایک تنہا اور
تاریک کوئیں میں کیا تھا۔

اس کے بعد وہ نظارہ ہے جب کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا باپ اور
ماں اور بھائی خدائے تعالیٰ کا شکر کرتے ہوئے کہ اس قدر لمبی جدائی کے بعد
اور اس قدر تغیرات اور حوادث کے گذرنے کے بعد اُس نے بچھڑے ہوؤں کو
پھر ملا دیا اور غم کو خوشی سے بدلا دیا زمین پر سجدہ میں گر پڑے اُس وقت حضرت

ص یوسف ہیں۔ اور جب اُس شاہزادے نے جواب دیا کہ میں یوسف ہی

یوسف علیہ السلام بول اُٹھے یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا ؕ وَ قَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَ جَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ اِخْوَتِیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝ میرے ابا جان! یہ ہے نتیجہ میرے اُس رؤیا کا جو مَیں نے پہلے دیکھا تھا۔ میرے ربّ نے اس کو سچا کر دیا اور اُس نے میرے پر احسان کیا کہ مجھے قید سے نکال لایا اور تمھیں بیابان سے لایا بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان جھگڑا ڈالدیا۔ میرا رب جو چاہتا ہے اُس کو لطیف طریق سے پورا کرتا ہے۔ وہ جاننے والا اور حکیم ہے۔ انہوں نے اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنا وہ خواب یاد دلایا جو بچپن میں انہوں نے دیکھا تھا اور جو سورہ یوسف کے ابتدا میں مذکور ہے۔ یہ خواب کیسے عجیب طریق کے ساتھ آخر پورا ہوا ؛

غرض قرآن شریف میں حضرت یوسف علیہ السلام کا بیان ایک حیرت انگیز بشارت اور ایک عجیب پیشگوئی کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور اس بیان کے اثنا میں جا بجا اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ کس طرح خدائے تعالیٰ نے اپنے ارادہ کو پورا کیا۔ اور اس سورہ شریفہ کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیان کرنے والے کی غرض یہ نہیں کہ صرف ایک کہانی سنائی جائے بلکہ یہ دکھلانا مقصود ہے کہ کس طرح خدائے تعالیٰ نے اُس حیرت انگیز کلام کو پورا کیا جو اُس نے بیابان میں ایک کوئیں میں گرے ہوئے بچے پر بالکل بے کسی اور بے بسی کی حالت میں نازل فرمایا تھا۔ مگر پیدائش کی کتاب میں اس قسم کی کوئی غرض مدِّ نظر نہیں بلکہ اس کتاب کے مصنف کی اتنی ہی غرض ہے کہ ایک کہانی کو قلمبند کرے۔ پادری صاحبان اپنے طور پر خواہ کتنے ہی مطالب اِس کہانی میں سے اخذ کریں مگر وہ اس کہانی میں کوئی ایک بھی ایسا لفظ نہیں دکھا سکتے جس سے صاف طور پر ظاہر ہو کہ کہانی بیان کرنے والے کی اپنی غرض قصہ گوئی کے سوا کچھ اور تھی ؛

ایک اور امر جس سے صاف طور پر یہ عیاں ہوتا ہے کہ قرآن شریف کی غرض کہانی بیان کرنا نہیں مگر مصنف کتاب پیدائش کی غرض صرف قصہ گوئی ہے یہ ہے کہ قرآن شریف غیر ضروری تفاصیل کو بغیر بیان کرنے کے چھوڑ دیتا ہے مگر کتاب پیدائش کا مصنف چھوٹی چھوٹی بیہودہ تفاصیل پر بڑا زور دیتا ہے اور نکمی نکمی لچر باتوں کو جن سے کچھ بھی فائدہ حاصل نہیں ہوتا بڑی تفصیل اور تطویل سے بیان کرتا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن شریف ایک حکیم کا کلام ہے کیونکہ اس میں لغو اور غیر ضروری تفاصیل سے اعراض کیا ہے اور صرف انہی امور کو خوبصورت اور پیارے پیارے دلربا پیرایہ میں بیان کیا ہے جو اصلی اغراض سے تعلق رکھتے ہیں۔ ناظرین۔ اس امر کو مدِ نظر رکھ کر دونوں جگہ یعنی قرآن شریف میں اور کتاب پیدائش میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات کو پڑھیں تا اُن کو اس فرق بیّن کا پورا پورا لطف حاصل ہو۔

ایک اور بڑا بھاری فرق جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے جو حالات بیان کیئے گئے ہیں وہ وحی الٰہی کے ہی سرچشمہ سے نکلے ہوئے ہیں اور کتاب پیدائش کا بیان ایک انسان کا کلام ہے جس کو قصہ گوئی کے سوا اور کوئی غرض نہ تھی یہ ہے کہ سورہ یوسفؑ میں خدائے تعالیٰ کے علیم اور خبیر ہونے کا ایک زبردست ثبوت دیا گیا ہے مگر کتاب پیدائش کا بیان اس وصف سے خالی ہے۔ سورہ یوسفؑ کو پڑھو اور تمہیں معلوم ہوگا کہ شروع سے آخر تک حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس بات کا یقین ہے کہ میرا بیٹا ابھی زندہ ہے۔ کئی سال گذر گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا کوئی پتہ و نشان نہیں ملا۔ سب اُس کی زندگی سے مایوس ہو چکے ہیں بلکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اُنکے بیٹے یہ کہکر ملامت بھی کرتے ہیں تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوسُفَ حَتّٰى تَكُونَ حَرَضًا اَوْ تَكُونَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ۔

اللہ تعالیٰ کی قسم تو ہمیشہ یوسف کو یاد ہی کرتا ہے گا یہانتک کہ تو مضمحل ہو جاوے یا (اسی غم میں) گذر جاوے۔ اس کے جواب میں حضرت یعقوب علیہ السلام فرماتے ہیں اِنَّمَا اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ہ میں تو اپنی بے قراری اور غم کا شکوہ صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے مجھے وہ علم دیا گیا ہے جو تمہیں نہیں دیا گیا۔ ایسا ہی جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی آپ کی قمیص کو بطور نشان کے لئے ہوئے مصر سے روانہ ہوتے ہیں تو اِدھر کنعان میں حضرت یعقوب علیہ السلام فرماتے ہیں اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ہ مجھے تو اسوقت یوسف کی خوشبو آرہی ہے اگر تم مجھے بہکا ہوا نہ کہو غرض اوّل سے آخر تک حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس بات کا یقین ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام زندہ ہیں اور وہ بار بار اپنے اس یقین کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ سے مجھے وہ علم دیا گیا ہے جو تمہیں نہیں دیا گیا۔ چنانچہ جو علم خدائے تعالیٰ نے آپ کو دیا تھا وہ صحیح ثابت ہوا اور جب حضرت یوسف علیہ السلام کا پیراہن آپکے سامنے رکھا گیا اور آپ کا علم الیقین بصیرت اور رؤیت سے بدل گیا تو آپ فرماتے ہیں اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ہ کیا مَیں نے تم کو نہیں کہا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک علم دیا گیا ہے جو تمہیں حاصل نہیں۔ آپ اپنے پاس رہنے والوں کو یہ بتلاتے ہیں کہ دیکھو جو بات مَیں تمہیں کہتا تھا وہ آخر پوری ہوئی اور خدا کا کلام سچا ثابت ہوا۔ غرض قرآن شریف نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات میں اپنے علیم و خبیر ہونیکا ثبوت دیا ہے اور دکھایا ہے کہ کس طرح وہ اپنے برگزیدوں پر غیب کی خبریں ظاہر کرتا ہے اور کس طرح اُس کی بتائی ہوئی باتیں جو لوگوں کی نظر میں اَنْ ہونی معلوم ہوتی ہیں۔ پوری ہو کر رہتی ہے۔ غرض یہ علیم و خبیر اور قدیر ہونے کا ثبوت جو سورہ یوسفؑ میں دیا گیا ہے کتاب پیدائش اس خصوصیت سے بالکل بے بہرہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب پیدائش کا لکھنے والا ایک انسان تھا جس نے ان واقعات کو

صرف روائیت سے اخذ کرکے جمع کردیا اور اُس کا کلام الہام الٰہی کے رنگ سے رنگین نہیں ہے۔ اور سورہ یوسف کا طرز بیان بتا رہا ہے کہ وہ علیم وحکیم کا کلام ہے۔

ایک اور امتیاز جو سورہ یوسف کو حاصل ہے اور جس سے پیدائش کی کتاب محروم ہے وہ یہ ہے کہ اس سورہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کو اُس تہمت سے بری کیا گیا ہے جس کی وجہ سے آپ کو قید خانہ میں ڈالا گیا تھا۔ مگر پیدائش کی کہانی میں آپ کو اُس خطرناک اتہام سے بری نہیں کیا گیا جو آپکے آقا کی بیوی نے آپ پر لگایا تھا اس میں شک نہیں کہ پیدائش کی کتاب میں حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک پاک انسان ظاہر کیا گیا ہے مگر اس میں کوئی ایسی بات بیان نہیں کی گئی جس سے یہ ظاہر ہو کہ آپ کے ہمعصروں کی نظروں میں بھی آپ کا معصوم ہونا اور تہمت معلومہ سے بری ہونا ثابت ہو گیا تھا۔ وہ الزام جس پر آپ کو قید خانہ میں داخل کیا گیا سب کو معلوم تھا مگر کتاب پیدائش کی کہانی سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی موقعہ پر آپنے اپنے تئیں اس الزام سے بری کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ خاموشی اختیار کی جس سے شبہ کرنیوالوں کو اور بھی شک کرنے کا موقعہ مل سکتا تھا۔ مگر یہ امر وہم میں بھی نہیں آسکتا کہ حضرت یوسف علیہ السلام جیسا بزرگ نبی ایک نہایت ہی بُرے کام کے ساتھ متہم کیا جاوے اور وہ ذرا بھی اپنی بریت ثابت کرنے کے لیئے کوشش نہ کرے۔ اُس نے ضرور اس داغ کو اپنے مقدس نام پر سے دُور کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ چنانچہ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مصر کے بادشاہ نے آپ کے پاس اپنا خاص قاصد اس غرض کیلیئے بھیجا کہ وہ آپ کو قید خانہ سے نکالکر دربار شاہی میں لاوے آپنے پسند نہ کیا کہ اسطرح رعایتی طور پر قید خانہ سے باہر قدم بھی رکھیں۔ چنانچہ آپنے اُس شاہی قاصد کو کہا کہ تم واپس بادشاہ کے پاس جاؤ اور اُسے کہو کہ میں اس جگہ سے باہر نہیں آسکتا جب تک کہ اُس مقدمہ کی بادشاہ بنفس خود تحقیقات کرکے سچ اور جھوٹ کا فیصلہ نہ کرے جس کی وجہ سے مجھے جیلخانہ میں بھیجا گیا تھا۔ اور جب تک تحقیقات کے بعد آپ کا گناہ سے بکلی پاک ہونا ثابت نہ ہوا۔ آپنے قید خانہ سے قدم باہر نہ رکھا۔ اُس عورت نے جس نے

جھوٹا الزام لگا کر حضرت یوسف علیہ السلام کو قید کروایا تھا یہ کہکر اپنے قصور کا اقرار کیا
اَلْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝
اب سچ ظاہر ہوگیا ہے۔ میں نے ہی اُس کو اُس کے نفس سے پُھسلانا چاہا تھا۔
اور وہ سچا ہے۔ یہ اقرار اُس نے اُس وقت کیا جب کہ ساتھ والی عورتوں نے جو
اس سازش میں شریک تھیں بادشاہ مصر کے آگے یہ بیان دیا حَاشَ لِلّٰهِ مَا
عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ہم نے اُس میں کوئی بُرائی نہیں دیکھی۔ غرض جب
بادشاہ نے خود کُل عورتوں کو اپنے پاس بُلاکر اُن سے حضرت یوسف علیہ السلام کے
بارہ میں دریافت کیا اور بادشاہ کی تحقیق سے یہ امر کُھل گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام
بالکل بے قصور ہیں۔ اُسوقت حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ میں سے نکلنا
منظور کیا۔ آپنے نہ چاہا کہ آپ کی حالت لوگوں پر مشتبہ رہے بلکہ آپنے اپنے دامن کو
بالکل پاک اور صاف دکھاکر لوگوں کو اپنا چہرہ دکھایا۔ چنانچہ آپ خود ہی اس بات
کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ آپنے یہ تحقیقات کیوں کرائی۔ آپ فرماتے ہیں ذٰلِكَ
لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ
الْخَآئِنِيْنَ ۝ میں نے یہ تحقیقات اس لیئے کرائی ہے تاکہ میرے سابق آقا پر
یہ بات ظاہر ہو جاوے کہ میں نے اُس کے گھر میں رہکر اُس کی پیٹھ کے پیچھے
اُسکی کسی قسم کی خیانت نہیں کی۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کی تدبیر کو
کامیاب نہیں کرتا۔ کوئی شریف آدمی پسند نہیں کرتا کہ اُسپر ایسا سخت الزام بلاوجہ
لگایا جاوے اور وہ اپنی بریت کے لیئے اور اپنے چال چلن کی صفائی کے لیئے ذرا
بھی کوشش نہ کرے۔ ضرور ہر ایک معزز آدمی جو علاوہ معزز ہونے کے بے قصور
بھی ہے اس بات کے ثابت کرنیکی کوشش کریگا کہ جو قابل شرم الزام اسپر لگایا گیا
ہے وہ بالکل بے بنیاد ہے۔ جب ایک معمولی درجہ کا شریف آدمی بھی پسند نہیں
کرتا کہ ناجائز طور پر اُسپر خطرناک بہتان باندھے جائیں تو ایک نبی جو دوسروں کے
لیئے ایک نمونہ ہوتا ہے کس طرح پسند کرسکتا ہے کہ اُس کا چال چلن مشتبہ حالت

ہیں یہ ہے۔ اُس پر نہایت ہی گندے الزام لگائے جائیں اور وہ ذرا بھی اپنی بریت
کی کوشش نہ کرے اُس کو جھوٹے الزام لگاکر قیدخانہ میں بھی ڈالا جائے اور پھر بھی
وہ خاموش رہے اور اس طرح اپنی خاموشی سے لوگوں کے شبہ کو اور بھی مضبوط کرے
اور جب اُس کو اپنی بریت کا موقعہ بھی میسر آجائے اُسوقت بھی وہ خاموشی ہی اختیار
کرے۔ اور باوجود عوام الناس کا انگشت نما بن جانے کے اپنے ہونٹوں پر سے
خاموشی کی مُہر کو نہ توڑے۔ ان لوگوں کو اسقدر اپنی عزت کا فکر نہیں ہوتا جتناکہ
اس بات کا فکر ہوتا ہے کہ لوگ اُنکی نسبت کوئی شبہ اپنے دل میں رکھکر اپنے تئیں
ہلاک نہ کردیں۔ اس لیئے وہ اس امر کو برداشت نہیں کرسکتے کہ لوگ اُنکی نسبت
کوئی بدگمان اپنے دل میں رکھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت احادیث
میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ جب آپ مسجد میں اعتکاف بیٹھے ہوئے تھے آپ کی
بی بی حضرت صفیہؓ آپ کے پاس تشریف لائیں اور آپکے پاس تھوڑی دیر
بیٹھکر گفتگو کرتی رہیں۔ اور جب پھر اُٹھکر چلنے لگیں تو آپ بھی اُنکے ساتھ مسجد
کے دروازہ تک تشریف لے گئے۔ وہاں انصار میں سے دو آدمی آپکے پاس سے
گذرے اُنہوں نے آپ کی طرف دیکھا اور آپ کی خدمت میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
عرض کیا۔ آپنے اُن دونو کو فرمایا کہ ٹھہر جاؤ اور دیکھ لو کہ یہ میری بی بی صفیہؓ ہے۔
اُنہوں نے عرض کیا سبحان اللہ یارسول اللہ۔ یعنی ہم کب آپ کی نسبت کوئی بُرا
گمان کرسکتے ہیں۔ آپنے جواب دیا۔ ان الشیطان یجری من الانسان
مجری الدم وانی خشیت ان یلقی فی انفسکما شیئا۔ یعنی شیطان
انسان کے اندر اس طرح چلتا ہے جیساکہ خون انسان کی رگوں کے اندر چلتا ہے
اور مَیں نے خوف کیا کہ شیطان تمھارے دل میں کوئی وسوسہ نہ ڈال دے (اس
لیئے مَیں نے تمھیں بتلادیا کہ یہ میری بی بی حفصہ ہے) اس سے معلوم ہوتا ہے
کہ انبیاءؑ کہاں تک محتاط ہوتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں اُن کی نسبت کوئی
بدظنی پیدا نہ ہو۔ تا وہ بدظنی اُن کی ہلاکت کا موجب نہ ہو۔

غرض حضرت یوسف علیہ السلام کی نسبت یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ آن پر الزام تو ایسا خطرناک لگایا جاتا اور وہ اپنی بریّت کے لیئے کچھ سعی نہ فرماتے خصوصًا ایسے وقت میں جبکہ آپ کو ایک نہایت ہی اعلیٰ موقعہ خدائے تعالیٰ نے اپنی بریت ثابت کرنے کا دیدیا تھا۔ خدائے تعالیٰ اپنے انبیاء کے بارے میں سخت غیرت رکھتا ہے۔ اور کبھی ممکن نہیں ہو سکتا تھا کہ غیور خدا اپنے ایک پاک نبی اور ایک مطہر انسان کے روشن نام سے وہ سیاہ دھبہ دُور نہ کرتا جو ایک عورت اور اُس کے مددگاروں کی شرارت سے آگیا تھا۔ ضرور خدائے تعالیٰ نے ایسا کیا۔ مگر کتاب پیدایش میں کسی ایسی بریّت کا ذکر تک نہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو قصہ اس کتاب میں کسی لکھنے والے نے درج کیا ہے وہ ایک ناقص اور نامکمل اور ناقابل اعتماد قصہ ہے۔ دیکھو تھوڑے دنوں کی بات ہے کہ بعض بداندیش لوگوں نے ہمارے معظم شہنشاہ کنگ جارج پنجم قیصر ہند کی نسبت یہ الزام شائع کیا کہ آپنے شہزادگی کے زمانہ میں ایک بحری افسر کی لڑکی سے شادی کی تھی اور بعد میں اُس کو ترک کر کے موجودہ شہزادی سے نکاح کیا اور اس لیئے یہ نکاح مسیحی قانون کے رُو سے ناجایز ہے۔ اگرچہ اکثر اخباروں نے اس الزام کی تردید شائع کی اور اس کو بے بنیاد بیان کیا اور عام طور پر اس کو ایک غلط اور نہایت ہی کمینہ بہتان سمجھا جاتا تھا اور اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور لوگ خوب سمجھتے تھے کہ اس الزام کے شائع کرنیوالے صرف بداندیشی اور حسد کی وجہ سے ایسے اتہامات کو پھیلا رہے ہیں پھر بھی ہمارے معظم شہنشاہ کی غیرت نے پسند نہ کیا کہ ایسے بے بنیاد الزاموں سے وہ اپنی پوری بریت ثابت کر کے اپنے شاہی دامن کو ہمیشہ کے لیئے اس بہتان سے پاک نہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے خود اپنا مقدمہ اپنی سلطنت کے ایک جج کے پاس بھیجا تا عدالت کے ذریعہ باقاعدہ طور پر تحقیق کی جاوے کہ یہ الزام کہاں تک درست ہے اور یہ بھی لکھا کہ اگر قوانین سلطنت مجھے اجازت دیتے تو مَیں خود عدالت میں حاضر ہو کر بیان دیتا۔ چنانچہ اُس مقدمہ کی پوری تحقیق بہ پابندی قوانین سلطنت کی گئی اور جو اس الزام

کا بانی مبانی تھا اُس سے بر سر اجلاس ثبوت طلب کیا گیا مگر وہ کوئی ثبوت پیش نہ کر سکا بلکہ شہادتوں سے یہ ثابت ہوا کہ یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے۔ اس تازہ مثال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی شریف آدمی ایک لمحہ کے لیئے بھی یہ پسند نہیں کر سکتا کہ اُسے خطرناک اتہامات سے متہم کیا جاوے اور اُسے اپنی بریّت ثابت کرنے کا موقعہ بھی ملے مگر وہ اپنی بریّت کے لیئے کچھ بھی سعی نہ کرے۔ جب ایک شریف آدمی ایسا نہیں کر سکتا تو یوسف علیہ السلام جیسا راستباز اور مقدّس اور مطہر انسان جو نبی بھی تھا کس طرح پسند کر سکتا تھا کہ وہ اپنی حالت کو لوگوں کی نظروں میں مشتبہ رہنے دے اور لوگوں کو موقعہ دے کہ وہ نہایت ہی خطرناک بہتان آپکی طرف منسوب کریں اور آپ کچھ بھی کوشش نہ فرماویں کہ اپنا بری ہونا ثابت کریں۔ مگر کتاب پیدائش سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ظاہر ہوتا ہے کہ آپنے کوئی کوشش نہ کی جس سے عیاں ہوتا ہے کہ کتاب پیدائش ناقص اور ناقابل اعتبار ہے اور جو کچھ قرآن شریف نے بیان فرمایا ہے ہر ایک سلیم الفطرت انسان کی فطرت اسکے سچّا ہونے کی گواہی دیتی ہے۔

اور بھی بہت سی باتیں ہیں جن سے کتاب پیدائش کی کہانی کا ادنیٰ پن ثابت ہوتا ہے مگر اس سے زیادہ اس مقابلہ پر بحث کرنا موجب تطویل ہوگا۔ اس لیئے اب میں اُن پیشگوئیوں کی طرف رجوع کرتا ہوں جو اس سورہ کریمہ میں پائی جاتی ہیں۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس سورہ کریمہ میں بہت سی غیب کی خبریں (انباء الغیب) ہیں اس لیئے ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ وہ کونسی غیب کی خبریں یعنی پیشگوئیاں ہیں جو قرآن شریف کے اس حصہ میں بیان کی گئی ہیں۔ ان پیشگوئیوں کے دریافت کرنے کے لیئے کسی بڑی سعی کی ضرورت نہیں۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّلسَّائِلِينَ ٥ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام اور آپکے بھائیوں کے حالات میں جو اس سورہ میں بیان کیئے گئے ہیں حق کی تلاش کرنیوالوں کے لیئے بہت سے نشانات ہیں۔ جس زمانہ میں یہ سورہ شریفہ

نازل ہوئی اُس وقت بھی ایک یوسف تھا اور اُس وقت بھی اُس یوسف کے بد اندیش بھائی موجود تھے جو اُس سے عداوت رکھتے تھے اور اُسے نابود کرنا چاہتے تھے۔ وہ یوسف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے مقابل میں یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی بند قریش تھے۔ اور جو واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کو پیش آئے اور ایسا ہی جو سلوک آپکے بھائیوں قریش کی طرف سے آپ کے ساتھ ہوا اور پھر آخر میں جو سلوک آپنے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا جب ان سب پر نظر کیجاوے اور پھر ان کا اُن واقعات کے ساتھ مقابلہ کیا جاوے جو حضرت یوسف علیہ السلام اور آپکے بھائیوں کو پیش آئے۔ تو اس میں کچھ بھی شک باقی نہیں رہتا کہ وہ کون سے آنیوالے واقعات تھے جنکی اس سورہ کریمہ میں قبل از وقت خبر دی گئی۔ جیسا کہ مَیں پہلے بیان کر چکا ہوں یُوْسُفَ وَاِخْوَتِہٖ کے الفاظ اس امر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ جن آنیوالے واقعات کی اس سورہ کریمہ میں خبر دی گئی ہے وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہی تعلق نہیں رکھتے بلکہ آپکے بھائیوں قریش کا بھی اُن میں بڑا دخل ہے۔ .. ..

.. .. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے حالات کو حضرت یوسف علیہ السلام اور آپ کے بھائیوں کے تعلقات سے ایک نہایت ہی حیرت انگیز مشابہت ہے اور وہ مشابہت اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ یہ کہنا بھی کچھ مبالغہ نہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوبہو وہی واقعات پیش آئے جو حضرت یوسف علیہ السلام کو پیش آئے تھے اور جن کو بطور پیشگوئی کے سورۂ یوسفؑ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سورۂ کریمہ میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک رُویا دیکھا جسکی تعبیر آپکے باپ نے یہ بیان کی وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ یعنی تیرا رب تجھے برگزیدہ کریگا

اور تجھے باتوں کی حقیقت سکھائیگا۔ اور اپنی نعمت کو تجھ پر پورا کرے گا جیسا کہ اس نے
اس سے پہلے تیرے دو بزرگوں حضرت اسحٰق اور حضرت ابراہیم علیہما السلام پر اپنی
نعمت کو پورا کیا تھا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی جس میں
آپ کو یہ بشارت دی گئی کہ ہم تیرے ذکر اور تیری شان کو بلند کرینگے اور اپنی
نعمتوں کو تیرے پر ایسا ہی پورا کرینگے جیسا کہ اس سے پہلے تیرے دو بزرگوں
حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام پر پورا کیا تھا اور جیسا کہ حضرت یوسف
علیہ السلام کے بھائیوں کا یہ دیکھکر حسد بھڑکا کہ اُن کا باپ اپنے اس بیٹے سے
زیادہ محبت کرتا ہے اور جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے کا رُویا
سن کر اُن کو یہ نصیحت کی کہ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا
لَكَ كَيْدًا یعنی تیرے اس رُویا کو سنکر جس میں تجھے بڑے بڑے انعاموں کا
وعدہ دیا گیا ہے تیرے بھائی تیرے برخلاف سازشیں کرینگے ایسا ہی آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا۔ جب آپکے بھائیوں قریش نے دیکھا کہ اُن کا
آسمانی باپ اُن کی نسبت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پیار کرتا ہے
اور اپنی نصرت اور تائید سے اُس کو روز افزوں ترقی دے رہا ہے تو اُن کا
حسد بھڑکا اُن میں یہ تاب نہ تھی کہ آپ کے سلسلہ کو ترقی کرتے ہوئے دیکھیں
جوں جوں آپ کا سلسلہ اُن کو بڑھتا ہوا نظر آتا تھا اُن کے حسد کی آگ زیادہ اور
زیادہ بھڑکتی تھی۔ آخر جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حسد کی
وجہ سے آپ کو نابود کرنے پر اتفاق کر لیا تھا ایسا ہی قریش نے بھی اُسی حسد کی
وجہ سے یہ ارادہ کر لیا کہ اپنے بھائی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیں۔

پھر جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی سازشوں کا آخر یہ نتیجہ ہوا کہ
حضرت یوسف علیہ السلام کو جنگل میں ایک تاریک کوئیں کے اندر رہنا پڑا ایسا ہی اس مثیل
یوسف صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائیوں کی سازشوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ آپ کو بھی جنگل میں
ایک تنگ و تار غار کے اندر رہنا پڑا اور پھر جیسا کہ اُس کوئیں میں حضرت یوسف علیہ السلام کو

خدائے تعالیٰ نے اپنی نصرت کا وعدہ دیکر تسلّی دی ایسا ہی اُس غار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے تعالیٰ کی نصرت کے وعدوں پر پورا یقین تھا اور جب آپکے یارِ غار حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دشمنوں کو اپنے سر پر کھڑا دیکھکر گھبرائے تو آپ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا - یعنی کچھ غم نہ کھاؤ - اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے ٭

پھر جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کوئیں سے نکلکر ایک غیر ملک میں گئے تو وہاں خدائے تعالیٰ نے آپ کو ایک عزت کا مقام بخشا چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۭ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اور جس شخص نے مصر والوں سے اُسے خریدا اُس نے اپنی جورو سے کہا کہ اس کو اعزاز و اکرام کے ساتھ رکھنا۔ شاید یہ کسی دن ہمارے کام آوے یا ہم اُس کو اپنا بیٹا بنالیں اور اسی طرح ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو مصر کے ملک میں جمایا اور غرض یہ تھی کہ اُس کو باتوں کی حقیقت سکھائیں یعنی اُس کو اس بات کا تجربہ ہو کہ خدائے تعالیٰ کی باتیں کس طرح پوری ہوتی ہیں - اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے جو کام چاہتا ہے پورا کرتا ہے - اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غار سے نکلکر اپنے خون کے پیاسے بھائیوں سے ایک اجنبی شہر میں جاکر پناہ لی - تو وہاں خدائے تعالیٰ نے آپ کو عزت کے مقام پر پہنچایا ٭

سورۂ یوسفؑ میں خدائے تعالیٰ قحط کے واقعہ کو بڑی بسط کے ساتھ بیان کرتا ہے جو ملک مصر میں واقعہ ہوا اور نیز بیان کرتا ہے کہ کس طرح لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آکر امداد طلب کرتے - یہ واقعہ بھی جیسا حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہوا - صحیح بخاری میں اُس شدید قحط کا حال لکھا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں

واقع ہوا۔ عبداللہ کہتا ہے ان النبیّ صلے اللّٰہ علیہ وسلم لما راٰے من الناس ادبارًا قال اللّٰھم سبعًا کسبع یوسف فاخذتھم سنۃ حصت کل شیٔ حتّٰی اکلوا الجلود والمیتۃ والجیف و ینظر احدھم ... ... الی السماء فیری الدخان من الجوع۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ لوگوں نے حق کی طرف پیٹھ پھیر دی ہے اور آپ نے چاہا کہ لوگوں میں تضرع اور خدائے تعالیٰ کی طرف رجوع پیدا ہو تو آپ نے دعا کی ٭ کہ اے اللہ تو اُسی قسم کے قحط کے سال بھیج جیسے کہ یوسف (علیہ السلام) کے زمانہ میں تُو نے بھیجے تھے۔ چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی اور ایسا سخت قحط پڑا جو ہر ایک چیز کو کھا گیا۔ یہانتک کہ لوگوں نے چمڑے اور مردار اور لاشیں کھا کھا کر اپنا پیٹ بھرا اور جب اُن میں سے کوئی شخص آسمان کی طرف نظر کرتا تو بھوک کے مارے آسمان اُسے دھواں دھار نظر آتا" (دیکھو صحیح بخاری جزو اوّل ابواب الاستسقار) یہ قحط مدنی زمانہ میں واقع ہوا۔ مگر اس کی خبر بطور پیشگوئی کے مندرجہ ذیل مکّی آیت میں موجود تھی۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ٥ يَغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ٥ یعنی اُس دن کا منتظر رہ جب کہ آسمان ایک کُھلا کُھلا دُھواں لائیگا یہ دُھواں لوگوں کو ڈھانپ لے گا (وہ دھواں نہ ہوگا بلکہ) ایک دردناک عذاب ہوگا۔ چنانچہ جب اُس شدید قحط کے دنوں میں لوگوں کو مارے بھوک کے

٭ معلوم ہوتا ہے کہ جب خدائے تعالیٰ کے مُرسل دنیا کو فسق وفجور کے دریا میں غرق دیکھتے ہیں تو اُنکی طبیعت ایسے عذاب کے لیئے دعا کرنیکی طرف جُھکتی ہے جس سے لوگوں میں تضرع اور رجوع الی الحق پیدا ہوا۔ چنانچہ اس زمانہ کا مصلح (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اپنی کتاب حمامۃ البشریٰ صفحہ ۹ پر ایک قصیدہ عربی میں اسی قسم کی ایک دعا کا ذکر کرتا ہے اور وہ شعر یہ ہیں :۔

فلما طغی الفسق المبید بسیلہ ٭ تمنیت لو کان الوباء المتبر
فان ھلاک الناس عند اولی النھی ٭ احب واولیٰ من ضلال یخسر

آسمان دھواں دھار نظر آنے لگا اُس وقت لوگوں کو یہ آیت یاد آگئی اور مومنوں کو یقین ہوگیا کہ یہ وہی عذاب الیم ہے جس کی خبر سورۂ دخان میں دی گئی تھی ؂

اور جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں قحط زدہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جاتے اور آپکے ذریعہ اس مصیبت سے آرام حاصل کرتے تھے ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب کے لوگ اس مصیبت کی فریاد آپکے پاس لاتے تھے۔ ہاں اتنا فرق تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام ایک زمینی بادشاہ کے خزانوں سے غلہ دیکر لوگوں کی امداد کرتے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی زمینی چیز کی طرف رجوع نہیں کیا بلکہ آپنے اُس بادشاہ کی طرف رجوع کیا جو زمین و آسمان کا بادشاہ ہے۔ جس طریق سے آپنے قحط زدہ لوگوں کی امداد کی وہ مندرجہ ذیل بیان سے ظاہر ہے۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے ان رجلا دخل یوم الجمعۃ من باب کان وجاہ المنبر و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قائم یخطب۔ فاستقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قائما فقال یا رسول اللہ ھلکت المواشی وانقطعت السبل فادع اللہ یغیثنا فرفع رسول اللہ صلی اللہ

بقیہ حاشیہ ۔ یعنی جب میں نے دیکھا کہ فسق و فجور کا سیلاب زور پر ہے تو میں نے یہ آرزو کی کہ کاش ایک ہلاک کرنے والی وبا ہوتی کیونکہ عقلمندوں کے نزدیک ایسی گمراہی سے جو خسران میں ڈالے آدمیوں کا مرنا بہتر ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جب ان لوگوں کے منہ سے کوئی بات نکلتی ہے تو خدائے تعالیٰ اُس کو پورا کردیتا ہے۔ اور خود قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کبھی کوئی رسول دنیا میں آتا ہے تو ضرور ہے کہ اُس کے وقت میں وبائیں اور قحط پڑیں کیونکہ وہ رجوع الی اللہ اور تضرع کا زمانہ ہوتا ہے اور یہ آفات تضرع اور رجوع الی اللہ کا ایک ذریعہ ہوتی ہیں۔ خوشحالی اور امن و عافیت کے وقتوں میں غفلت زیادہ ہوتی ہے۔ خدائے تعالیٰ اس اٹل قانون کا ذکر مندرجہ ذیل آیت میں کرتا ہے مَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَھْلَھَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ

علیہ وسلم یدیہ فقال اللّٰھم اسقنا اللّٰھم اسقنا اللّٰھم اسقنا
قال انس ولا واللہ مانری فی السماء من سحاب ولا قزعۃ ولا
شیئا وما بیننا وبین سلع من بیت ولا دار قال فطلعت من
ورائہ سحابۃ مثل الترس فلما توسطت السماء انتشرت ثم
امطرت قال واللہ ما رأینا الشمس ستا ثم دخل رجل من
ذلک الباب فی الجمعۃ المقبلۃ۔ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قائم یخطب فاستقبلہ قائما فقال یا رسول اللہ ھلکت الاموال
وانقطعت السبل فادع اللہ یمسکھا قال فرفع رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یدیہ ثم قال اللّٰھم حوالینا ولا علینا
اللّٰھم علی الآکام والجبال والظراب والاودیۃ ومنابت الشجر
قال فانقطعت وخرجنا نمشی فی الشمس (صحیح بخاری جزو اوّل۔
ابواب الاستسقاء) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اُن شدید قحط کے دنوں میں) ایک

بقیہ حاشیہ - لَعَلَّھُمْ یَضَّرَّعُوْنَ (الاعراف) یعنی جب کبھی ہم کسی بستی میں کوئی نبی بھیجتے ہیں تو وہاں کے رہنے والوں کو قحط اور بیماری کے ساتھ پکڑتے ہیں اور ہماری غرض اس پکڑنے سے یہ ہوتی ہے کہ لوگ عاجزی اور تضرع کریں۔ چنانچہ اسی قاعدہ مستمرہ کے مطابق خدائے تعالیٰ نے اس زمانہ میں نہ صرف قحط اور وبائیں بھیجیں بلکہ اور بہت سی آفات نازل کیں مثلاً زلزلے اور سیلاب تاکہ لوگوں میں تضرع پیدا ہو اور چونکہ اس زمانہ کے رسول کا (جو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام ہے) دائرہ تبلیغ بہت وسیع تھا اور کُل دنیا پہ محیط تھا۔ اس لئے اُن آفات کا دائرہ بھی اُسی طرح وسیط اور کل دنیا پر محیط ہے۔ دنیا کے ہر ایک حصہ میں اس زمانہ کے رسول **غلام احمد** (علیہ وعلیٰ مطاعہ الصلوٰۃ والسلام) کی صریح پیشگوئیوں کے مطابق خطرناک زلزلے جو اپنی شدت میں بے نظیر تھے آئے ہیں اور دنیا کے بہت سے حصوں میں طاعون ظاہر ہو رہی ہے اور احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی ہے کہ

دن مسجد میں خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص سامنے کے دروازہ سے مسجد میں داخل ہوا اور آنحضرت صلی اللہ و سلم کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اے رسول خدا۔ (قحط کی وجہ سے) مویشی ہلاک ہو رہے ہیں اور راستے (بہ سبب قزاقوں اور راہزنوں کے) چھوٹ گئے ہیں پس آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ خدائے تعالیٰ بارش نازل فرما دے۔ آپ نے اُسی وقت دونوں ہاتھ اُٹھائے اور تین دفعہ دعا کی کہ اے اللہ ہمیں پانی پہنچا۔ انس کہتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی قسم اُس وقت آسمان پر بادل کا ٹکڑا تو کجا کوئی چیز بھی نظر نہیں آتی تھی اور ہمارے اور سلع پہاڑی کے درمیان کوئی گھر نہیں تھا (جو اس پہاڑی کو ہماری نظروں سے چھپاتا) اُسی وقت ہمارے دیکھتے دیکھتے اس پہاڑی کے پیچھے سے ایک چھوٹا سا بادل اُٹھا جو شکل میں ایک ڈھال کی طرح تھا اور جب وہ آسمان کے وسط میں پہنچا تو سارے آسمان پہ پھیل گیا۔ اور پھر بارش برسنی شروع ہوئی اور برابر چھ دن یعنی دوسرے جمعہ تک برستی رہی خدا کی قسم ہم نے اس عرصہ میں سورج کو بالکل نہیں دیکھا جب دوسرے جمعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر خطبہ کے لیئے منبر پر چڑھے تو ایک شخص (وہی یا کوئی اور) پھر سامنے کے دروازہ سے داخل ہوا۔ اور آپکے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور عرض کی اے اللہ کے رسول۔ مویشی (بہ سبب بارش کے) ہلاک ہو رہے ہیں اور راستے (بہ سبب پانی کے سیلابوں کے) متروک ہو چکے ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ اس بارش کو تھام لے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دونوں ہاتھ اُٹھائے (اور ایک روایت میں ہے کہ آپ یہ سنکر مسکرائے اور ہاتھ اُٹھائے) اور دعا کی کہ اے اللہ یہ بارش ہمارے اردگرد ہو

بقیہ حاشیہ یورپ اور دیگر عیسائی ملکوں میں ایک قسم کی وبا پڑیگی جو نہایت سخت ہو گی۔ اور یہ سب آفات قرآنی آیت کے رُو سے اور خود احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیوں کے مطابق اس زمانہ کے مرسل غلام احمدؑ کی صداقت کے نشانات ہیں منہ

اور ہم پر نہ ہو۔ اے اللہ اس بارش کو پہاڑیوں اور ٹیلوں اور وادیوں اور درختوں کے اُگنے کی جگہوں پر برسا (ہم پر نہ برسا) انس کہتا ہے کہ بارش فی الفور تھم گئی اور جب ہم جمعہ کی نماز ادا کر کے باہر نکلے تو بجائے بارش کے دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ صحیح بخاری کی دوسری روایتوں میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ بارش کے لیئے دعا فرمائی تو ابھی آپ منبر پر ہی تھے کہ بارش شروع ہو گئی چنانچہ جب آپ منبر پر سے اُترے تو آپ کی ریش مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا اور لکھا ہے کہ جب آپ نے دوسرے جمعہ کو یہ دعا کی اللّٰھم حوالینا ولا علینا تو بارش مدینہ پر تو تھم گئی اور گرد و نواح کی وادیوں پر برابر برستی رہی چنانچہ بعض وادیاں برابر ایک مہینہ تک دریاؤں کی طرح بہتی رہیں اور ہر ایک آدمی جو بیرونجات سے مدینہ میں آتا وہ بارش کا ہی ذکر کرتا تھا اور مدینہ ایک گول دائرہ کی طرح آتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کے نشانات اس کثرت سے دیکھے گئے کہ ابو طالب کا مندرجہ ذیل شعر اپنے لفظی معنوں میں آپ پر لگایا جاتا تھا ابو طالب نے اپنے نامی بھتیجے کی تعریف میں چند شعر کہے تھے اور یہ شعر بھی انہی اشعار میں سے ایک ہے۔

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ ؛ ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

وہ پاکیزہ ہے۔ بادل اُس کے چہرہ سے پانی پیتے ہیں۔ وہ یتیموں کا مددگار اور بیواؤں کی پشت پناہ ہے۔ ابو طالب نے تو استعارہ کے رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہا تھا کہ بادل اُس کے چہرہ سے پانی پیتے ہیں۔ مگر جب صحابہؓ نے دیکھا کہ واقعی آپکی دعائیں ایسی جلدی مستجاب ہوتی ہیں کہ آپ ابھی منبر پر ہی تشریف رکھے ہوتے ہیں کہ بارش کے ساتھ پرنالے بہنے لگتے ہیں تو اُن کو ابو طالب کا یہ شعر یاد آیا اور وہ آپ کی تعریف میں یہ شعر پڑھا کرتے اور حقیقی معنوں میں آپ پر چسپاں کرتے (دیکھو صحیح بخاری ابواب الاستسقاء

پھر ایک اور بڑی عجیب مشابہت یہ ہے کہ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے قحط کے دنوں میں اپنے بھائی کی طرف رجوع کیا اور اُس کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا یٰاَیُّھَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَ اَھْلَنَا الضُّرُّ وَ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْکَیْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَیْنَا۔ اِنَّ اللّٰہَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ۔ اے عزیز ہم پر اور ہمارے گھر والوں پر قحط کی مصیبت پڑی ہے۔ اور ہم تھوڑی سی پونجی لیکر آئے ہیں۔ آپ ہم کو پوری ماپ غلہ مرحمت فرما دیں اور ہم پر خیرات کریں۔ اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے۔ اسی طرح شدید قحط کے مصائب سے تنگ آکر ابو سفیان جو اُس وقت قریش کا سردار تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ میں حاضر ہوا اور عرض کی۔ یا محمد جئت تامر بصلة الرحم وان قومك هلكوا فادع الله تعالیٰ۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو لوگوں کو اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم کرتا ہے۔ اور تیری قوم قحط کی وجہ سے ہلاک ہو رہی ہے۔ پس آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ خدائے تعالیٰ اس مصیبت کو دُور کرے۔ (صحیح بخاری۔ ابواب الاستسقاء) غرض ملک میں قحط کا پڑنا اور لوگوں کا اور خود قریش کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا اور آپ کی خدمت میں دعا کی درخواست کرنا اور پھر آپ کی دعا کی برکت سے قحط کی مصیبت کا دُور ہونا یہ ایسے امور ہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات سے سخت مشابہت رکھتے ہیں۔

پھر۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام ملک مصر میں جاکر جہاں وہ بطور غلام کے بیچے گئے تھے۔ آخر کار ایک نہایت ہی اعلیٰ اور معزز عہدہ پر سرفراز ہوئے چنانچہ خود اُن کے بھائی اُن کو یٰاَیُّھَا الْعَزِیْزُ یعنی اے عزیز مصر کہکر پکارتے ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں ہجرت کرنے کے بعد خدائے تعالیٰ نے کُل عرب کا بادشاہ بنا دیا۔ چنانچہ جب آپ دس ہزار قدوسیوں کی فوج کے ساتھ مکّہ کے قریب پہنچے تو قریش کا سردار ابو سفیان آپ کے جاہ وحشم کو دیکھکر ششدر رہ گیا اور

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ لقد اصبح ملك ابن اخیك ملکا عظیما (مواہب زرقانی جلد ثانی صفحہ ۳۸۲) تیرے بھتیجے کی سلطنت ایک نہایت عظیم الشان سلطنت ہے۔

سب سے بڑی عظیم الشان مشابہت جو حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات کے درمیان ہے وہ اُس وقت پوری ہوئی جبکہ آپ فاتح ہو کر شہر مکہ میں داخل ہوئے جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے بھائی کے سامنے طرح طرح کی مخالفتوں اور ناکامیوں کے بعد آخر شرمندگی کے ساتھ اپنے قصور کا اقرار کیا اور کہا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخَاطِئِيْنَ۔ اللہ تعالیٰ کی قسم۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے ہم پر برگزیدہ کر لیا ہے اور ہم خطاکار تھے۔ ایسا ہی جب قریش قریباً ۲۱ سال کی لگاتار اور جان توڑ کوششوں کے بعد آخر عاجز ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے دس ہزار مقدس ہمراہیوں کے شہر مکہ میں داخل ہوئے تو آپ نے اُن قریش سے (جو اب تک آپ کے خون کے پیاسے رہے تھے) یہ سوال کیا یا معشر قریش ما ترون انی فاعل فیکم۔ اے قریش اب تم مجھ سے کیسے سلوک کی امید کرتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا خیرا اخ کریم وابن اخ کریم۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے کیونکہ آپ ہمارے رحیم کریم بھائی ہیں اور ہمارے شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ اُس وقت آپ نے فرمایا انی اقول کما قال اخی یوسف لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ اذھبوا فانتم طلقاء۔ اب مَیں تم سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے۔ وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔ تم چلے جاؤ۔ مَیں تم سب کو آزاد کرتا ہوں یعنی اگرچہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی طرح تم نے مجھے نابود کرنا چاہا مگر خدائے تعالیٰ نے میری مدد کی اور تم اپنے بد ارادوں میں ناکام رہے۔

لیکن مَیں آج تمھیں معاف کرتا ہوں اور تمھارے ظلموں سے درگذر کرتا ہوں اور اگرچہ تم اپنے مظالم کی وجہ سے سزائے قتل کے مستحق ہو مگر مَیں تمھیں آزاد کرتا ہوں اور جیسا میں تمھارے قصوروں کو معاف کرتا ہوں ایسا ہی میرا خدا بھی معاف کر دیگا کیونکہ وہ سب رحم کرنیوالوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے اور اگر اُس نے جنگ کا حکم دیا تھا تو وہ اس لیئے دیا تھا کہ تم نے خود پیش دستی کی اور تم نے چاہا کہ تلوار سے مسلمانوں کو نابود کر دیا جاوے مگر اب چونکہ تم میں تاب مقابلہ نہیں رہی اس لیئے اب تمھیں معاف کیا جاتا ہے اور تمھارے قصوروں سے درگذر کیا جاتا ہے۔ اس معافی سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ زیادتی کس فریق کی طرف سے ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جیسا میرے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو معاف کیا تھا ایسا ہی مَیں تمھیں معاف کرتا ہوں اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جیسا حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی قصوروار تھے کیونکہ اُنھوں نے تلوار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکی جماعت کو نابود کرنا چاہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حالت کو حضرت یوسف ع کی حالت سے مشابہ کرتے ہیں اور قریش کے حالات کو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے حالات سے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے تئیں حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح مظلوم سمجھتے تھے اور قریش کو ظالم ؎

غرض ہم دیکھتے ہیں کہ سورہ یوسف کے نازل ہونے کے بعد جو واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئے وہ بالکل حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات کے مشابہ ہیں گویا سورہ یوسف کیا ہے آپکے آنیوالے واقعات کا نقشہ ہے۔ اسی واسطے اس سورہ کے آغاز میں یہ بیان کیا گیا ہے لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّلسَّائِلِينَ ۝ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام اور آپکے بھائیوں کے حالات میں حق کے طالبوں کے لیئے کئی نشانات ہیں۔ اب ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ ان حالات کو کیوں نشانات کہا گیا۔ ان کو اس لیئے نشانات کہا گیا ہے کہ یہ آنیوالے واقعات کی پیشگوئیاں ہیں اور یہ بتلایا گیا ہے کہ جس قسم کے

واقعات حضرت یوسف علیہ السلام کو پیش آئے اور جس طرح اُن کو آخر کار عزت اور کامیابی حاصل ہوئی اور اُن کے بھائی اُنکے آگے ذلیل و ناکام ہوئے اسی طرح اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بھائیوں قریش کا حال ہوگا۔ چنانچہ آنیوالے واقعات نے اس امر کی تصدیق کی۔ اس لیئے ہر ایک بات جو اس سورہ شریفہ میں بیان کی گئی ہے وہ ایک پیشگوئی اور ایک نشان ہے اس لیئے کہ اُس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور آپکے دشمنوں کا کاذب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

بیشتر اس کے کہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات کی بحث کو ختم کردں میں ناظرین کی توجہ کو ایک اور مماثلت کی طرف پھیرنا چاہتا ہوں اور وہ مماثلت یہ ہے کہ جیسا حضرت یوسف علیہ السلام پر ایک جھوٹا الزام لگایا تھا مگر آخر کار خدائے تعالیٰ نے اُن کا اس لزام سے بری ہونا ثابت کر دیا۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایک جھوٹا الزام لگایا گیا تھا اور وہ الزام یہ تھا کہ آپ اپنے دعویٰ میں نعوذ باللہ کاذب ہیں مگر خدائے تعالیٰ نے آپ کی نصرت پر نصرت کرکے اور آپ کی صداقت کے بہت سے نشانات ظاہر کرکے آپ کا اس جھوٹے الزام سے بری ہونا ثابت کر دیا۔ کیونکہ اگر آپ نعوذ باللہ اپنے دعویٰ میں صادق نہ ہوتے تو آپ کا وہی انجام ہوتا جو کاذبوں کا انجام ہوتا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے جب سے کہ انبیاء کا سلسلہ قائم کیا ہے اُس کا یہ اٹل قانون چلا آیا ہے کہ وہ صادقوں کی تائید کرتا اور اُن کو اُن کے دشمنوں پر آخر کامیاب کرتا ہے مگر جو جھوٹے طور پر دعویٰ نبوت کرتے ہیں اور جو جھوٹے طور پر کہتے ہیں کہ ہم پر خدائے تعالیٰ اپنی وحی نازل کرتا ہے حالانکہ خدائے تعالیٰ اُن پر کوئی وحی نازل نہیں کرتا۔ ایسے لوگوں کو خدائے تعالیٰ ناکام کرتا ہے۔ وہ ناکامی اور حسرت کی موت مرتے ہیں اور اُن کا خاتمہ دنیا کے لیئے ایک عبرت کا مقام ہوتا ہے۔ یہ خدائے تعالیٰ اس لیئے کرتا ہے تا سچوں اور جھوٹوں میں تمیز ہو جاوے۔ پس اسی قانون کے مطابق خدائے تعالیٰ نے اوّل سے آخر تک آپکی تائید فرمائی آپکے دشمن باوجود قوت اور طاقت کے آخر کار

عاجز آ گئے اور آپ غالب اور کامیاب ہوئے۔ اور اس طرح خدائے تعالیٰ نے
آپ کے صادق ہونے کی خود گواہی دی اور اپنی گواہی سے آپ کا سچا ہونا ثابت کیا اور
آپ کو اُس جھوٹے الزام سے بری ثابت کر دیا۔ آپ کی کامیابی کی آخری سیڑھی
فتح مکہ تھی جب کہ خدائے تعالیٰ نے آپ کے زبردست اور خونی دشمنوں کو ذلیل کر کے
آپ کے پاؤں میں گرا دیا اور اپنی کامل تائید اور نصرت سے آپ کا سچا ہونا
ثابت کر دیا۔ اور اُن تمام الزامات سے آپ کو بری کر دیا جو آپ پر جھوٹے طور پر
لگائے جاتے تھے۔ اسی واسطے جب آپ نے دیکھا کہ اب خدائے تعالیٰ نے
اپنی نصرت میں کمال کر دیا ہے تو آپ مکہ معظمہ میں داخل ہونے سے پہلے
اپنے اونٹ پر ہی سجدہ میں گر پڑے اور اپنے اُس خدا کا شکریہ ادا کیا جس نے اُس
دن پورے طور پر آپ کو کامیابی کی آخری سیڑھی پر پہنچا کر اور آپ کے دشمنوں کو
کُلی طور پر عاجز کر کے آپ کی صداقت کا ایک بے نظیر **معجزہ** دکھا دیا اور اس طرح اُن
تمام فرضی گناہوں کو اپنی نصرت کے پانی سے دھو دیا جو اب تک آپ کی طرف منسوب
کیے جا چکے تھے یا آئندہ آپ کے بدطینت دشمنوں نے آپ کی طرف منسوب
کرنے تھے۔ اسی لیے خدائے تعالیٰ اس فتح کا ذکر کر کے فرماتا ہے اِنَّا فَتَحْنَا
لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا
تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ (سورہ فتح) یعنی ہم نے تجھے کھلی کھلی فتح
دی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس قدر عیب تیری طرف اب تک منسوب کیے گئے
ہیں یا آئندہ منسوب کیے جاوینگے وہ سب ڈھپ گئے ہیں کیونکہ ایسا شخص
جس کو خدائے تعالیٰ اس طریق سے اپنی نصرت کے ساتھ مؤید کرے وہ جھوٹا نہیں
ہوسکتا اور اُس کی طرف کوئی ایسا عیب منسوب نہیں ہوسکتا جو جھوٹوں میں پایا
جاتا ہے اور اس فتح کے ذریعہ خدائے تعالیٰ نے تجھ پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے۔
اب میں اُن آیات یعنی نشانات میں سے بعض کا ذکر کر چکا ہوں جو سورہ
یوسف میں پائے جاتے ہیں اور جنکی نسبت خدائے فرماتا ہے لَقَدْ كَانَ

فِیْ یُوْسُفَ وَاِخْوَتِہٖٓ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ ۝ یعنی یوسف علیہ السلام اور اُن کے بھائیوں کے حالات میں بہت سے نشانات ہیں جن سے حق کے طالب فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اور جن کی نسبت اس سورہ کریمہ کی ابتدائی آیات میں فرمایا گیا ہے کہ اس سورہ میں ایسے واقعات کی خبر دیجاتی ہے جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے بے خبر تھے کیونکہ وہ آنیوالے واقعات تھے جنکی خبر دی گئی - اب ناظرین نے سمجھ لیا ہوگا کہ کیوں اس سورہ کریمہ کے مضامین کی نسبت آخر میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ - یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم بذریعہ وحی قبل از وقت تجھ پر اس سورہ شریفہ کے ذریعہ ظاہر کرتے ہیں ؂

اصحاب کہف

اب میں ایک اور تذکرہ کی طرف رجوع کرتا ہوں جس کا ذکر قرآن شریف میں بطور پیشگوئی کے بیان فرمایا ہے اور وہ اصحاب کہف کا تذکرہ ہے۔ جو سورہ کہف کے ابتدائی حصہ میں مذکور ہے اس سورہ کے پڑھنے سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی بطور پیشگوئی کے نازل ہوئی - اصحاب کہف کا تذکرہ ان الفاظ کے ساتھ شروع ہوتا ہے اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِیْمِ كَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا ۝ کیا تو گمان کرتا ہے کہ اصحاب کہف و رقیم ہمارے نشانوں میں سے کوئی عجیب نشان ہیں - ان الفاظ میں صریح طور پر اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے اصحاب کہف کا ایک کہف میں پناہ گزین ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ آپ کے لیئے بھی مقدر ہے کہ آپ بھی اصحاب کہف کی طرح ایک غار میں پناہ گزین ہونگے - اصحاب کہف کے متعلق خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۝ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۝ لَوْلَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَیِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝ یہ لوگ

(اصحاب کہف) چند جوان شخص تھے جو اپنے مالک پر ایمان لائے تھے اور ہم نے انکو اور زیادہ ہدایت دی اور ہم نے اُن کے دلوں کو مضبوط کردیا تو وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمارا مالک تو وہی ہے جو آسمان اور زمین کا مالک ہے ہم تو ہرگز اُس کے سوا کسی دوسرے خدا کو پکارنیوالے نہیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو ہم نے بڑی کفر کی بات کہی یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں۔ اُن کے معبود ہونے پر کوئی کُھلی سند کیوں نہیں لاتے۔ پھر اُس سے بڑھکر کون زیادہ ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے۔ بعینہٖ یہی عقاید اور یہی تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اصحاب کہف کی طرح اُٹھکر کہا کہ خدائے تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اور آپ نے بھی اُن کی طرح جھوٹے معبودوں کی مذمت کی۔ مگر سب سے بڑی مشابہت جو اصحاب کہف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ جیسا کہ اصحاب کہف نے ایک کہف میں پناہ لی ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک وفادار ہمراہی کے ساتھ غار ثور میں پناہ لی مگر آپ میں اور اصحاب کہف میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ آپ نے کوئی بہت لمبا عرصہ اُس غار میں نہیں رہنا تھا جیسا اصحاب کہف کی نسبت مشہور ہے۔ اس تذکرہ کے آخر میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓي اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ۝ یعنی تو کسی چیز کی نسبت یہ نہ کہہ کہ یہ کام میں کل کروں گا۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے اور جب تو بھول جائے تو اللہ تعالیٰ کو یاد کر۔ اور کہہ کہ قریب ہے کہ خدائے تعالیٰ مجھے (اصحاب کہف کی نسبت) زیادہ قریب راہ پر چلاوے۔ ان الفاظ سے پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی کام کرنے والے تھے اور وہ کام اُسی قسم کا تھا جیسا کہ اصحاب کہف نے کیا۔ یعنی جیسا کہ اصحاب کہف نے بھاگ کر ایک کہف میں پناہ لی ایسا ہی آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم بھی کرنے والے تھے۔ لیکن یہ کہ وہ بھاگنا اور اصحاب کہف کی طرح ایک ہولناک اور ڈراؤنی غار میں پناہ لینا کب ہوگا اس امر کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے کہ آپ کوئی وعدہ نہ کریں بلکہ ہر ایک بات خدائے تعالیٰ کے منشار پر چھوڑ دیں جس طرح اور جب خدائے تعالیٰ چاہے گا اس بات کو پورا کر دیگا۔ مگر یہ بتلا دیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر عرصہ غار میں نہیں رہنا پڑیگا جسقدر کہ اصحاب کہف کی نسبت مشہور ہے چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا۔ یعنی تو کہ کہ قریب ہے کہ میرا رب مجھے (اصحاب کہف کی نسبت) زیادہ قریب راہ پر چلائے یعنی مجھے خدائے تعالیٰ اس سے بچائے گا کہ مجھے بہت عرصہ تک غار میں رہنا پڑے جیسا کہ اصحاب کہف کی نسبت کہا جاتا ہے بلکہ میرا رب بہت جلدی مجھے اس غار میں سے نکال لے گا۔ اور مجھے ایسی راہ پر چلائے گا جس سے کہ میں جلدی کامیابی کے منزل پر پہنچ جاؤں گا۔ خدائے تعالیٰ نے یہ نہیں بتلایا کہ اصحاب کہف تعداد میں کتنے تھے یا کتنا عرصہ وہ غار میں چھپے رہے بلکہ فرماتا ہے قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ یعنی کہ کہ میرا رب بہتر جانتا ہے کہ اُن کی تعداد کتنی تھی اور فرماتا ہے قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا یعنی کہ کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنا عرصہ غار میں ٹھہرے رہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب کہف کا ذکر کرنے سے خدائے تعالیٰ کی غرض کوئی کہانی بیان کرنا نہیں۔ بلکہ یہ تذکرہ بطور پیشگوئی کے بیان کیا گیا ہے اور خدائے تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ میں اُن غار میں پناہ لینے والوں کی تعداد اور مدت قیام کو بہتر جانتا ہوں یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اُن آدمیوں کی تعداد جو ایک غار میں پناہ لیں گے اور اُن کا غار میں رہنے کا عرصہ یہ ایسی غیب کی باتیں ہیں جن کو اس وقت سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔

غرض جس عظیم الشان واقعہ کی اصحاب کہف کے تذکرہ کے ذریعہ خبر

دی گئی ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مع اپنے یارِ غار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ
کے غارِ ثور میں پناہ گزین ہونے کا واقعہ ہے۔ اُس وقت اگرچہ غار کے اندر دو ہی آدمی
تھے اور اُن کے ساتھ تیسرا خدا تھا مگر اُن کے علاوہ بعض آدمی اور بھی تھے جنکا اس
عرصہ میں اُس غار کے ساتھ تعلق رہا۔ اُن میں سے ایک حضرت ابوبکرؓ کا غلام عامر بن
فُہیرہ رضی اللہ عنہ تھا جو سارا دن بکریاں چراتا اور شام کے بعد بکریوں کو ہانکتا ہانکتا غار
ثور کے پاس لاتا اور اُن کا دودھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو
پلاتا۔ دوسرا شخص جس کا تعلق غارِ ثور سے رہا وہ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما
تھے - یہ سارا دن شہر مکّہ میں رہتے اور شام کے بعد اپنی ہمشیرہ حضرت اسمار رضی اللہ عنہا سے
کھانا پکوا کر لاتے اور شہر کے حالات اور قریش کے خیالات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور
حضرت ابوبکرؓ کو مطلع کرتے لکھا ہے کہ کھانا لانے کے بعد یہ غار میں ہی آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے پاس رہتے اور پچھلی رات کو اُٹھکر چلے جاتے۔ ایسا ہی لکھا ہے کہ خود حضرت
اسمار رضی اللہ عنہا بھی غارِ ثور میں تشریف لائیں۔ چنانچہ جب غارِ ثور سے روانگی کا
وقت آیا تو وہ جلدی جلدی سفر کے لیئے کھانا تیار کرکے شام کے بعد غارِ ثور میں تشریف
لائیں مگر جلدی کی وجہ سے وہ تسمہ لانا بھول گئیں جس سے کہ اُس کیسہ کا مُنہ بند کرتیں یا
اُس کو اونٹ کے کجاوہ کے ساتھ باندھتیں۔ اس لیئے اپنے ہی کمر بند کے دو ٹکڑے
کرکے ایک کے ساتھ کیسے کا مُنہ بند کیا اور دوسرے ٹکڑے کے ساتھ اُس کو اونٹ کے
کجاوہ سے باندھ دیا۔ اسی وجہ سے وہ تاریخ اسلام میں ذات النطاقین کے لقب سے
مشہور ہیں۔ چوتھا شخص جس کو غارِ ثور سے تعلق تھا اور جو اس معاملہ میں رازدار تھا وہ
عبداللہ بن اریقط تھا۔ یہ شخص مشرکین میں سے تھا مگر وہ راستے سے خوب واقف تھا۔ اس لیئے
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو اس کام کے لیئے پہلے سے مقرر کر رکھا تھا چنانچہ وہ
دو اونٹنیاں جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سوار ہو کر مدینہ منورہ
کی طرف تشریف لے گئے وہ اسی عبداللہ بن اریقط یا اریقد یا ارقد کے سپرد تھیں اور جب
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ غارِ ثور میں چھپے ہوئے تھے اُس وقت یہ شخص

اونٹنیوں کو غار ثور کے منہ کے پاس اِدھر اُدھر چراتا رہا اور جب روانگی کا وقت آیا تو اُس نے دونوں اونٹنیوں کو لاکر حاضر کردیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے ہمراہ بطور رہنما کے روانہ ہوا۔ اس مشرک لیکن وفادار خادم کو اگر اصحاب کہف کے وفادار کُتے سے تشبیہ دیجاوے تو بیجا نہ ہوگا۔ جیسا اصحاب کہف نے کھانا لانیکے لیئے اپنا آدمی شہر میں بھیجا ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کا آدمی بھی کھانا لانے کے لیئے شہر میں جایا کرتا تھا اور جیسا کہ اصحاب کہف نے مشرکوں کی اذیت کے خوف سے اپنے ساتھی کو تاکید کی تھی کہ ہوشیاری اور احتیاط سے کام لینا اور کسی سے جھگڑا نہ کرنا ایسا نہ ہو کہ ہمارے دشمنوں کو ہماری اس پناہ گاہ کی خبر ہو جاوے اور وہ ہمیں مار ڈالیں ایسا ہی اصحاب غار ثور کی طرف سے اُن کے ساتھی عبداللہ بن ابی بکرؓ کو تاکید تھی کہ وہ کسی طرح شہر کے رہنے والوں کو خبر نہ ہونے دے کہ وہ توحید کے حامی کس جگہ پناہ گزین ہیں چنانچہ وہ دن کو چوکنا ہو کر شہر میں پھرتا اور دشمن کے حالات کی خبر رکھتا اور ایسے وقت میں کھانا لاتا جبکہ کوئی اُس کو دیکھنے والا نہ ہوتا تھا۔ چونکہ اصحاب غار ثور کی نسبت پہلے وعدہ ہو چکا تھا کہ اصحاب کہف کی نسبت خدائے تعالیٰ اُنکو زیادہ قریب راہ پر چلائیگا اس لیئے اصحاب کہف کی جائے پناہ کی تو دشمنوں کو خبر ہو گئی مگر غار ثور کا پتہ نہ لگا جب تک کہ اصحاب غار ثور وہاں سے نکل نہ گئے۔ غار ثور کے اصحاب نے اپنی غار کو چھوڑ کر ایک زیادہ محفوظ جگہ یعنی مدینہ میں جاکر پناہ لی۔ اب کل مشرکان عرب کو خبر ہوگئی کہ وہ موحدوں کی جماعت جو مشرکانِ مکّہ کی اذیت سے تنگ آکر بھاگی تھی۔ اُس نے مدینہ میں آکر پناہ لی ہے اور وہ اس جماعت کے نابود کرنیکے لیئے آمادہ ہو گئے۔ یہ اس لیئے ہوا تاکہ اُن کو معلوم ہو کہ خدا کا وعدہ سچا ہے اور موعودہ گھڑی میں کوئی شک نہیں یعنی خدائے تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہو کہ لا الٰہ الا اللہ کہنے والی جماعت غالب آئیگی اور اُن کے دشمن جو اُن کو نابود کرنا چاہتے تھے وہ خود نابود کیئے جائیں اور تاکہ حق اور باطل کے فیصلہ کی گھڑی ظاہر ہو جاوے۔ (وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا۔) اسی طرح ہم نے اُنکی خبر کھولدی تا اُن کو معلوم ہو جاوے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ (نصرت الٰہی کا) سچا ہے اور جس گھڑی کی خبر دیگئی

تھی اُس میں شک نہیں) یہ وعدہ بدر کے میدان پہ پورا ہوا اور اُس دن کا نام خدائے تعالیٰ نے یوم الفرقان رکھا ہے (انفال - ۵) یہی وہ موعودہ گھڑی تھی جس کی نسبت خدائے تعالیٰ نے بطور پیشگوئی کے فرمایا تھا قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ (سورہ سبا) اگرچہ قریباً سارا عرب ان موحدوں کی جماعت کا جانی دشمن تھا لیکن اس ملک میں ایک ایسی جماعت بھی پیدا ہو گئی جو انکی طرفدار ہو گئی اس جماعت کا نام انصار کی جماعت ہے جب موحدوں کی جماعت کو انہوں نے اپنے ہاں پناہ دی تو انہوں نے اُنکے لیئے ایک مسجد تیار کی اور یہ مسجد جو غریب مہاجرین کی جائے پناہ میں تیار کی گئی اب تک موجود ہے۔ نہیں بلکہ جس جگہ اصحاب غار ثور نے پہلے پہل آکر مدینہ سے باہر راستہ کی تکلیف اور تھکان سے آرام کیا وہاں بھی انصار نے ایک مسجد بنائی جو مسجد قُبا کے نام سے مشہور ہے اور مسجد اُس غار ثور میں پناہ لینے والے موحد کا ایک ایسا نشان ہے کہ جہاں جہاں اُسکی تعلیم پھیلی ہے وہاں یہ نشان بھی موجود ہے (قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا) اصحاب کہف کے انصار نے تو ایک مسجد بنائی مگر اصحاب غار ثور کے خدام نے ہزاروں نہیں لاکھوں نہیں بلکہ بے شمار مسجدیں بنائیں۔ غرض اصحاب کہف کا واقعہ خدائے تعالیٰ نے بطور قصہ کے بیان نہیں کیا بلکہ یہ ایک پیشگوئی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے واقعات کی خبر دیتی تھی اور اس کے علاوہ بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمیں اور بھی آنیوالے واقعات کی خبر دی گئی ہے مگر جو کچھ یہاں لکھا گیا ہے وہ اس بات کے ثابت کرنیکے لیئے کافی ہے کہ اصحاب کہف کے حالات کہانی کے رنگ میں بیان نہیں کیئے گئے بلکہ جیسا دوسرے حالات بطور پیشگوئیوں کے بیان کیئے گئے ہیں۔ ایسا ہی یہ بھی بطور پیشگوئی کے بیان کیئے گئے ہیں ؏

مینے گذشتہ نمبر میں اور نیز اس مضمون میں (بتوفیق ایزدی) یہ دکھایا ہے کہ قرآن شریف میں جو گذشتہ انبیاؑ اور گذشتہ قوموں کے حالات بیان کیئے گئے ہیں وہ بطور قصہ کے بیان نہیں کیئے گئے بلکہ اُن میں آنیوالے واقعات کی خبر دی گئی ہے۔ یہ امر - اوّل تو اُن حالات کے پڑھنے سے ظاہر ہو جاتا ہے دوسرا اس سے کہ اُنکی نسبت صراحتہً یہ لکھا ہے کہ یہ انباء الغیب یعنی آنیوالے واقعات کی خبریں ہیں۔ ایک اور بڑی بھاری

دلیل اُن کے پیشگوئیاں ہونیکی یہ ہے کہ یہ سب کے سب حالات مکّی زمانہ میں نازل ہوئے۔ اسلام مکّہ میں پیدا ہوا۔ اور مکّہ کے مسلمان نہ صرف ضعیف اور کمزور تھے بلکہ اپنے دشمنوں کے ہاتھوں سے ناقابل بیان اذیّت اُٹھا رہے تھے۔ ایسے حالات میں جبکہ اسلام ابھی ابتدائی حالت میں تھا اور مسلمان طرح طرح کے دُکھ دیئے جاتے تھے۔ اور کوئی نہیں کہ سکتا تھا کہ اس مذہب کا انجام کیا ہوگا ایسے وقت میں خدائے تعالیٰ نے گذشتہ انبیاءؑ اور گذشتہ اُمّتوں کے حالات کے ذریعہ اور نیز دوسری پیشگوئیوں کے ذریعہ اپنے نبیؐ کو (فداہ امی و ابی) خبر دی کہ تو مظفر و بامراد ہوگا اور تیرے دشمن ذلیل و ناکام ہونگے اور یہ کہ ایک زمانہ آنیوالا ہے کہ ملک میں صرف تیرے ہی پیرو ہونگے اور تیرے دشمنوں کا نام و نشان بھی نہ رہے گا۔ یہ سب پیشگویاں ایسے وقت میں مشتہر کی گئیں جبکہ اُن کے پورا ہونے کا کوئی نشان موجود نہ تھا۔ دشمن طاقتور اور زور آور تھے اور اسلام کے پیرو نہایت کمزوری اور بے بسی کی حالت میں تھے۔ مسلمان مارے مارے پھرتے تھے۔ اور اُنکو سر چھپانے کے لیئے جگہ نہ تھی۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ جیسے عظیم الشان انسان کو مکّہ سے بھاگنا پڑا اور آخر ایک قوم کے رئیس کی سفارش سے آپ کو مکّہ میں بعض شرائط کے ماتحت رہنے کی اجازت دی گئی۔ ایسے وقت میں یہ پیشگوئی کی گئی کہ یہ طاقتور دشمن سب کے سب یا تو ہلاک ہوجائینگے یا اسلام میں داخل ہونگے اور یہ ملک جو اب بُت پرستی کا گھر ہے اسمیں اسلام ہی اسلام ہوجائے گا۔ جن واقعات کی انبیاءؑ کے حالات کے ذریعہ خبر دی گئی وہ ایک عرصہ کے بعد ہُو بہُو پُورے ہوگئے۔ مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو دیکھو۔ جن عظیم الشان واقعات کی اس میں خبر دی گئی ہے کیا کوئی انسان اُسوقت اُن واقعات کو قبل از وقت بیان کرسکتا تھا۔ کیا اُس وقت کوئی شخص کہہ سکتا تھا کہ یہ نبی حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح جنگل کے ایک گڑھے میں رہکر ایک غیر شہر میں جائے گا اور وہاں جاکر خدائے تعالیٰ اُس کو ایسی عزت اور ایسا جلال بخشی گا کہ آخر مغرور قریش حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی طرح آپ سے نہایت عاجزی کے ساتھ طالب معافی ہونگے۔ کون اِن واقعات کو اُس وقت بیان کرسکتا تھا۔ یہی حال اُن

پیشگوئیوں کا ہے جو دوسرے انبیاءؑ کے تذکروں میں پائی جاتی ہیں۔ ان تذکروں کا ایسے وقت میں نازل ہونا جب اُن واقعات کا ابھی نام ونشان بھی نہ تھا جن کی ان میں خبر دیگئی تھی اور پھر ان واقعات کا ہُو بہُو واقع ہونا اس بات کا ایک صریح ثبوت ہے کہ یہ تذکرے اس بات کے ثابت کرنے کے لیئے بیان نہیں کیئے گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدہ کہانیاں بیان کرسکتے ہیں بلکہ انکو بطور پیشگوئیوں کے بیان کیا گیا ہے ؛

ان تذکروں کا پیشگوئیاں ہونا اُس جواب سے بھی ظاہر ہے جو خدائے تعالیٰ نے اُن مشرکوں کو دیا ہے جو حقارت سے قرآن شریف کا نام اساطیر الاوّلین رکھتے تھے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ کہ اسکو اُس خدا نے نازل کیا ہے جو ہر ایک پوشیدہ بات کو جو آسمان اور زمین میں ہے جانتا ہے یعنی یہ کہانیاں نہیں ہیں بلکہ یہ آسمان اور زمین کے اسرار ہیں یعنی وہ غیب کی خبریں جن کا فیصلہ آسمان پر ہوچکا ہے اور جو زمین پر ظاہر ہونے والی ہیں ؛

اب اس بات کا جانچنا کہ آیا یہ تذکرے خدائے تعالیٰ کا کلام ہیں یا کسی انسان کی بناوٹ ہیں بالکل آسان ہے۔ اگر یہ صرف بطور کہانیوں کے بیان کیئے جاتے تو شاید اس امر کا فیصلہ کرنا مشکل ہوتا مگر اب چونکہ قرآن شریف اُن کو بطور پیشگوئیوں کے بیان کرتا ہے اور مخالفین اسلام کو ان سے سبق حاصل کرنے کا حکم کرتا ہے اس لیئے ہمارے ہاتھ میں اب ایک پختہ معیار آ گیا ہے جس سے ہم ان کا الہامی یا غیر الہامی ہونا آسانی سے جانچ سکتے ہیں۔ اب امور تنقیح طلب یہ ہیں (اوّل) آیا یہ تذکرے جو آئندہ واقعات کو ظاہر کرنیکا دعویٰ کرتے ہیں واقعی اُن واقعات کے ظہور سے پہلے نازل ہوئے یا بعد (دوم) آیا ان واقعات کی اُسوقت خبر دینا جبکہ یہ سورتیں نازل ہوئیں انسان کی طاقت میں تھا (سوم) آیا جن واقعات کی اُن میں خبر دی گئی ہے وہ پورے ہوئے یا نہ (چہارم) کیا ان پیشگویوں کا پورا ہونا ایک نبی کی سچائی کا نشان ہوسکتا ہے یا نہیں ؛ ان سوالات کے جواب صاف ہیں جن سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ یہ سورتیں اُن واقعات کے ظہور سے بہت عرصہ پہلے نازل ہوئیں جنکی ان میں خبر دی گئی ہے۔ اور ایسے وقت میں نازل ہوئیں جبکہ کسی انسانی طاقت میں یہ تھا

کہ اُن واقعات کی خبر دے سکے۔ اور کوئی اس امر سے انکار نہیں کرسکتا کہ وہ واقعات جنکی ان سورتوں میں خبر دیگئی تھی ہوبہو واقع ہوگئے پس اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ باتیں خدائے تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئیں۔ اور جسپر یہ خبریں نازل ہوئیں وہ ایک سچا نبی تھا۔

ان پیشگوئیوں کی حقیقت سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان سورتوں کے پڑھنے کے وقت اس بات کا بھی خیال رکھا جاوے کہ اُس وقت مسلمانوں کی کیا حالت تھی ایک طرف ان زبردست پیشگوئیوں کو پڑھو اور دوسری طرف اُس زمانہ کی تاریخ کا مطالعہ کرو کہ مسلمان کیسی کسی اور بے بسی کی حالت میں زندگی بسر کرتے تھے پھر تمھیں معلوم ہوجائیگا کہ یہ کیسی زبردست پیشگوئیاں ہیں جن سے نہ صرف خدائے تعالیٰ کا علم ثابت ہوتا ہے بلکہ اُس کی قدرت اور طاقت کا بھی پتہ لگتا ہے۔ کاش کہ دنیا ان پیشگوئیوں کو غور سے پڑھے اور پھر ساتھ لے کے اُس زمانہ کا نقشہ اپنے سامنے رکھے جس زمانہ میں یہ پیشگوئیاں نازل ہوئیں۔ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جسمیں خدائے تعالیٰ کا چہرہ صاف صاف نظر آجاتا ہے اور یہ ایک ایسا معجزہ ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے۔

سکھ صاحبان کا چیلنج اور ڈبل چیلنج منظور

ہر خاص و عام کو واضح رہے کہ آج سے سولہ سال پہلے ہمارے مرشد و آقا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قدس اللہ سرہ نے نہایت تحقیق کے بعد اپنی کتاب ست بچن میں یہ امر شائع کیا کہ حضرت باوا نانک صاحب علیہ الرحمۃ ایک راستباز مسلمان اور خدا کے ولی تھے۔ اس تصنیف کے بعد بھی حضرت مرزا صاحب مختلف کُتب میں اس مضمون پر کچھ نہ کچھ ارقام فرماتے رہے۔ عرصہ تین سال کا ہوا ہے کہ ہمارے ایک نومسلم دوست شیخ عبدالرحمٰن صاحب (دھرم سنگھ نومسلم) نے ایک کتاب باوا نانک صاحب کا چولہ لکھی۔ یہ کتاب بھی تین سال سے شائع ہے اُس کتاب کی بنا پر سکھ صاحبان کی طرف سے دو چیلنج ایک لاہور اور دوسرا امرتسر سے شائع ہوئے ہیں۔ یہ معاملہ چونکہ نہایت اہم ہے اور اس میں اصل غرض

احقاق حق ہے اور چونکہ اس چیلنج کا جواب دہ نہ صرف کوئی خاص احمدی فرد ہے بلکہ کُل احمدی جماعت ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت باوا صاحب مسلمان تھے۔ اس لیئے اس چیلنج کی مخاطب کُل جماعت احمدیہ ہم سمجھتے ہیں۔ ہم سکھ صاحبان کی خدمت میں بذریعہ اشتہار اطلاع دیتے ہیں کہ ہم آپ کا چیلنج قبول کرتے ہیں لیکن ہم اس امر کے متعلق تحقیق یا مباحثہ ایسی صورت میں کرنا چاہتے ہیں کہ جس سے کوئی مفید نتیجہ بھی پیدا ہو اور امن عامہ میں بھی خلل نہ آوے اور معاملہ بھی خوش اسلوبی سے طے ہو جاوے۔ سکھ صاحبان جس مقام اور جس شہر میں مباحثہ کرنا چاہیں وہاں کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب کی اجازت اس معاملہ میں حاصل کریں۔ اور اس کے بعد ہم سے مباحثہ کی شرائط طے کریں شرائط بالتفصیل تو بروقت طے ہو جاوینگی لیکن ذیل کی شرائط کا ہونا ضروری ہوگا۔ مباحثہ کسی خاص مکان کے اندر ہوگا جس میں فریقین کی طرف سے خاص تعداد کے آدمی شریک ہونگے اس مکان میں حفظ امن قائم رکھنے کا کافی انتظام ہوگا اور اس کے ذمہ وار سکھ صاحبان میں سے کوئی ایسا شخص ہوگا جس کو ہم یا پبلک ذمہ وار سمجھ سکیں یہ سکھ صاحبان نے اپنے چیلنج میں خود لے لیا ہے۔ مباحثہ تحریری ہوگا خاص وقت فریقین کو دیا جاوے گا۔ فریقین کی طرف سے ایک ایک مباحثہ کرنیوالا ہوگا اور اس کے سوا کسی اور کو بولنے کا حق نہ ہوگا ؛

اگر اس اصول پر سکھ صاحبان کوئی مباحثہ کرنا چاہیں تو ہم طیار ہیں اور ہم اُن کا چیلنج قبول کرتے ہیں۔ اُن کے جواب پر ہماری طرف سے چند اصحاب امرتسر میں شرائط طے کرنیکے لیئے آسکتے ہیں۔ جواب میں یہ بھی ہونا چاہیئے کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی اجازت حاصل کر لی گئی ہے ؛

ہاں یہ بھی یاد رہے کہ ست سنگھ سبھا امرتسر کے لیئے لازمی ہوگا کہ اہم مباحثہ جسکا تعلق تمام سکھ قوم کے افراد ..... کے ساتھ ہے چیف خالصہ دیوان امرتسر کو بھی اس میں شامل کریں اور انکی طرف سے اعلان شائع کرادیں کہ فتح و شکست کیحالت میں وہ بھی اُن کے شریک اور حصہ دار ٹھہریں گے ؛

المشتہر: محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان - مورخہ ۶- مئی ۱۹۱۱ء

ریویو

الاسلام :- اس نام کا ایک ہفتہ وار اخبار زیر ایڈیٹری چودھری مولوی عبد اللطیف صاحب راجپوت ابھی لاہور سے شائع ہوا ہے۔ جسکا پہلا نمبر ہمارے پاس پہنچا ہے۔ اس اخبار کی خاص خوبی یہ ہے کہ اس میں نہ صرف عام اخباروں کی طرح دنیا کی خبریں اور واقعات تازہ بتازہ شائع کیئے جاتے ہیں اور ضروری نوٹ اور رائیں درج کیجاتی ہیں۔ بلکہ اسلامی مضامین بھی درج کیئے جاتے ہیں پس یہ نہ صرف ایک عام اخبار ہے بلکہ ایک مذہبی اخبار بھی ہے اور ہم پہلے نمبر کو دیکھ کر اُمید کرتے ہیں کہ یہ ان دونوں غرضوں کو بخوبی انجام دے گا۔ جو شخص مذہبی مذاق رکھتے ہیں اور ساتھ ہی عام خبروں سے بھی آگاہی حاصل کرنا چاہتے ہیں اُنکے لیئے اُمید ہے کہ یہ اخبار بہت مفید ثابت ہوگا۔ لکھائی اور چھپائی عمدہ ہے حجم ۱۶ صفحہ۔ عام قیمت ستے سالانہ۔

آریہ دھرم کا فوٹو :- یہ رسالہ شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور قادیان کی تازہ ترین تصنیف ہی۔ یہ کتاب صحیح معنوں میں آریہ دھرم کا فوٹو ہے۔ لائق مصنف نے سوال جواب کے پیرایہ میں آریہ دھرم کی تعلیم کی تمام شاخوں کا پورا نقشہ کھینچا ہے آجکل چونکہ آریہ صاحبان دوسرے مذاہب پر حملہ کرنیکا بہت شوق رکھتے ہیں۔ اسلیئے ضروری ہے کہ اُنکے اپنے مذہب کی حقیقت کو بھی فاش کیا جاوے اور یہ غرض آریہ دھرم کے فوٹو نے بہت اچھی طرح ادا کی ہے۔ اسکا پڑھنا نہ صرف مسلمانوں کے لیئے مفید ہوگا بلکہ دیگر مذاہب کے پیروؤں کیلیئے بھی قیمت ۶ر

بدھ اور اسلام :- مؤلفہ جناب میر محمد اسحٰق صاحب۔ اسمیں لائق مصنف نے بدھ کے ان اعلیٰ اصولوں جنپر بدھ کے پیروؤں کے علاوہ اس زمانہ میں مولوی عزیز مرزا صاحب جیسے لوگ بھی فخر کیا کرتے ہیں کہ ایسے اصول دنیا کے کسی مذہب میں بھی نہیں پائے جاتے انکے بالمقابل قرآن کریم کی تعلیم نہایت ہی آسان اور عام فہم پیرایہ میں بالترتیب بیان فرمائی ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مصنف موصوف نے نہایت ہی محنت اور جانفشانی سے اس کتاب کو طیار کیا ہی۔ بہرحال میری رائے میں یہ کتاب علاوہ بدھ مذہب کے محققوں کے دوسرے لوگوں کو بھی ضرور مطالعہ کرنی چاہیئے چھپائی اور کاغذ وغیرہ عمدہ ہے تقطیع ۲۰×۲۶ صفحات ۸۰
قیمت ۳ر - محمد یامین تاجر کتب مہاجر سہارنپوری حال قادیان سے طلب کریں۔ حضرت خلیفۃ المسیح